ماہنامہ انصار اللہ

نومبر 2007ء
نبوت 1386ہش

ایڈیٹر
نصیر احمد انجم

امانتوں کا پاس کریں

''پس یاد رکھیں کہ امانت کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ اور جتنے زیادہ عہدیداران جماعت احمدیہ اور افراد جماعت گہرائی میں جا کر امانت کے مطلب کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اتنے ہی زیادہ تقویٰ کے اعلیٰ معیار قائم ہوتے چلے جائیں گے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے اعلیٰ معیار قائم ہوں گے۔ نظام جماعت مضبوط ہوگا، نظام خلافت مضبوط ہوگا۔ آپ کی نظام سے وابستگی قائم رہے گی۔ خلافت کے نظام کو مضبوط کرنے کے لئے خلیفۂ وقت کی تو ہمیشہ یہی دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے متقیوں کا امام بنائے۔ تو پھر ان دعاؤں کے مورد، ان کے حامل تو وہی لوگ ہوں گے جو اپنی امانتوں کا پاس کرنے والے، اپنے عہدوں کا پاس کرنے والے، اپنے خدا سے وفا کرنے والے ہوتے ہیں اور تقویٰ پر قائم رہنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کے ہر فرد کو یہ معیار قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

(مشعل راہ جلد پنجم صفحہ 56)

احمدی انصار کی تربیت کیلئے

ماہنامہ
انصار اللہ

ایڈیٹر: نصیر احمد قمر

تبوک 1386 ہش نومبر 2007ء
جلد ---------- 48
شمارہ ---------- 11
فون نمبر: 047-6212982 فیکس نمبر 047-6214631
ای میل: ansarullahpakistan@gmail.com

نائبین
- ریاض محمود باجوہ
- محمود احمد اشرف
- صفدر نذیر گولیکی

پبلشر: عبدالمنان کوثر
پرنٹر: طاہر مہدی امتیاز احمد وڑائچ
کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ: انیس احمد
مقام اشاعت: دفتر انصار اللہ
دار الصدر جنوبی چناب نگر (ربوہ)
مطبع: ضیاء الاسلام پریس
شرح چندہ: (پاکستان)
سالانہ .... ایک سو روپیہ
قیمت فی پرچہ .... 10 روپے

اس شمارہ میں

اداریہ 2
القرآن 4
حدیث نبویؐ 5
عربی منظوم کلام 6
فارسی منظوم کلام 7
اردو منظوم کلام 8
کلام الامام 9
قرآن کریم کی مختلف قرأتیں اور حفاظت قرآن .. 10-21
تحریر: مکرم سعد محمود باجوہ صاحب
شجر عظیم (کلام: مکرم عطاء المجیب راشد صاحب) 22
ایک یادگار سفر 23-27
مکرم آفتاب احمد صاحب فیصل آباد
کتاب ''سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ'' (قسط سوم) .... 28 تا 36
مکرم عاصم جمالی صاحب
اہم مساعی شعبہ ایثار مجلس انصار اللہ پاکستان .... 37 تا 39
از مکرم قائمقام قائد صاحب ایثار مجلس انصار اللہ پاکستان
انقلاب (کلام: مکرم عبدالسلام اسلام صاحب) 40

اداریہ

ماموریم خدمت را ......

جماعت احمدیہ کا قیام خدا تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے۔ اِس جماعت کے قیام سے جہاں ایک طرف بھٹکی ہوئی انسانیت کو رب کائنات کے در پر جھکانے کے لئے سعی بلیغ کی جاتی ہے۔ وہاں اِسی جماعت کے ذریعہ دُکھی اور مجبور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے بلا امتیاز رنگ و نسل منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور پھر ان منصوبوں کو عملی شکل دی جاتی ہے۔ یہ جماعت ہی ہے جو اپنے سٹیج سے انسانیت زندہ باد کا نعرہ بلند کرتی ہے۔ یہی جماعت ہے جس کے خدام و انصار، بچے بوڑھے، مرد عورتیں، سب اپنی اپنی جگہ اپنی بساط اور توفیق کے مطابق انسانیت کے دُکھوں کا مداوا کرنے میں مصروف عمل ہیں۔

جماعت کی خدمت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ ذیل کی سطور میں صرف ایک طائرانہ جائزہ پیش ہے۔

☆ دنیا کے 189 ممالک میں جماعت احمدیہ کا پودا لگ چکا ہے۔

☆ 1984ء میں جب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو ہجرت کرنا پڑی تب سے اب تک 23 سالوں میں 98 نئے ممالک میں جماعت کا نفوذ ہوا ہے۔

☆ جماعت احمدیہ کے مشن ہاؤسز کی تعداد 1869 ہو چکی ہے۔

☆ دنیا بھر میں 15 ہزار سے زائد بیوت الذکر جماعت کو بنانے کی توفیق ملی ہے۔ ان میں سے بعض بنی بنائی بیوت اپنے نمازیوں سمیت عطا ہوئی ہیں۔

☆ الرقیم پریس یو۔کے کی نگرانی میں افریقہ کے 8 ممالک میں جماعت احمدیہ کے پریس موجود ہیں۔

☆ جماعت احمدیہ کا ایک اہم کام تراجم قرآن کریم کی اشاعت ہے اب تک 64 زبانوں میں قرآن کریم کے مکمل تراجم شائع ہو چکے ہیں جبکہ درجنوں زبانوں پر ابھی ترجمہ کا کام جاری ہے۔

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 1985ء میں وقف نو کی تحریک فرمائی جس میں احمدی والدین اپنے پیدا ہونے والے بچے کو اس کی پیدائش سے پہلے خدا کے لیے وقف کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ ایسے واقفین نو بچوں کی تعداد 34,811 ہو چکی ہے۔

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے 2004ء میں وصیت کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اس وقت موصیان کی

تعداد 38 ہزار کے لگ بھگ تھی۔لیکن صرف تین سالوں میں یہ تعداد بڑھ کر 73,700 تک جا پہنچی ہے اور اس میں روزانہ اضافہ ہو رہا ہے۔

☆ جماعت احمدیہ کا عالمگیر T-V نیٹ ورک M.T.A اب تین چینلز پر 24 گھنٹے نشریات فراہم کر رہا ہے۔

☆ جماعت احمدیہ کی ایک ذیلی فلاحی تنظیم Humanity First (ہیومینٹی فرسٹ) U.N.O سمیت دنیا بھر کے 19 ممالک میں رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔قدرتی آفات کے مواقع پر یہ تنظیم ہراول دستہ کا کردار ادا کر رہی ہے۔زلزلہ ہو یا سونامی یا کوئی اور آفت جماعت کے خدام جان۔مال۔وقت خرچ کر کے لوگوں کی مشکلات کم کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں۔

☆ مجلس نصرت جہاں سکیم کے تحت اب تک 12 ممالک میں 40 ہسپتال اور کلینک کام کر رہے ہیں۔جہاں غریب مریضوں کا علاج مفت کیا جاتا ہے۔

☆ اسی طرح 11 ممالک میں 494 پرائمری و سیکنڈری سکول غریب عوام کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں کوشاں ہیں۔

قارئین کرام!! یہ محض ایک جھلک ہے۔

خدمت انسانیت میں مصروف جماعت احمدیہ کے جملہ کاموں کا ذکر تو ایک طویل بیان کا متقاضی ہے۔

خدا کرے جماعت میں یہ جذبہ اسی طرح قائم رہے بلکہ اور بڑھے۔ہمیشہ حضرت مسیح موعود کا کلام حرز جان بنائیں۔

ع منع از بہر ما کرسی کہ ماموریم خدمت را۔

ہمارے لئے کرسی مت بچھاؤ کہ ہم تو خدمت پر مامور کیے گئے ہیں نیز فرمایا۔

مرا مطلوب و مقصود و تمنا خدمت خلق است
ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم

کہ میرا مطلوب و مقصود اور تمنا خدمت خلق ہے یہی میرا کام ہے۔یہی میرا بوجھ ہے۔یہ میرا راہ و رسم ہے۔

القرآن

تقویٰ کی اہمیت

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ
وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ
لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

(سورۃ الحجرات:14)

ترجمہ: اے لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) ہمیشہ باخبر ہے۔

(اردو ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حدیث نبوی ﷺ

محبت الٰہی کے حصول کے ذرائع

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ.

(مسلم کتاب الزھد و الرقاق)

ترجمہ:- حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا۔ اللہ تعالیٰ اُس انسان سے محبت کرتا ہے جو پرہیز گار ہو، بے نیاز ہو، گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے والا ہو۔

عربی منظوم کلام

وَمَا مِنْ مَلْجَأٍ مِنْ دُوْنِ رَبِّ

اِلَى الدُّنْيَا اَوَى حِزْبُ الاَجَانِى
وَحَسِبُوْهَا جَنَى حُلْوَ الْمَجَانِى

ان لوگوں نے جو بہت ہی گناہوں میں مبتلا ہیں دنیا کو اپنی جائے پناہ قرار دیا ہے۔اور دنیا کو ایک شیریں اور سہل الحصول میوہ سمجھ لیا ہے

نَسُوْا مِنْ جَهْلِهِمْ يَوْمَ الْمَعَادِ
وَتَرَكُوْا الدِّيْنَ مِنْ حُبِّ الدِّنَانِ

اپنی نادانی کے سبب سے معاد کے دن کو بھلا دیا ہے اور شراب کے خموں سے پیار کر کے دین کو چھوڑ دیا ہے

وَاَنَّى الاَمْنُ مِنْ تِلْكَ الْبَلاَيَا
سِوَى اللّٰهِ الَّذِىْ مَلِكَ الاَمَانِ

اور ان بلاؤں سے نجات پانا لوگوں کے لئے غیر ممکن ہے بجز اس کے کہ اس خدا کا رحم ہو جو امان بخشنے کا بادشاہ ہے

وَمَا مِنْ مَلْجَأٍ مِنْ دُوْنِ رَبِّ
كَرِيْمٍ قَادِرٍ كَهْفِ الزَّمَانِ

اور ان آفتوں سے بچنے کے لئے بجز اس خدا کے کوئی گریز گاہ نہیں ہے جو کریم اور قادر اور زمانہ کی پناہ ہے

فَنَشْكُوْ هَارِبِيْنَ مِنَ الْبَلاَيَا
اِلَى اللّٰهِ الْحَفِيْظِ الْمُسْتَعَانِ

سو ہم ان بلاؤں سے بھاگ کر اسی خدا کی طرف شکایت لے جاتے ہیں۔جو اپنے بندوں کا نگہبان اور بے قراروں کی مدد کرنے والا ہے

(القصائد الاحمدیہ مترجم صفحہ 132 تا 135)

فارسی منظوم کلام

مرا باور نمے آید کہ رسوا گردد آں مَردے

بترسید از خدائے بے نیاز وسخت قہارے
نہ پندارم کہ بدبیند خدا ترسے نکوکارے

لوگو! بے نیاز اور قہار خدا سے ڈرو، میں نہیں سمجھتا کہ متقی اور نیک آدمی کبھی نقصان اٹھاتا ہو

مرا باور نمے آید کہ رسوا گردد آں مَردے
کہ مے ترسد ازاں یارے کہ غفارست وستارے

مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ شخص کبھی رسوا ہوا ہو جو اُس یار سے ڈرتا ہے جو غفار و ستار ہے

گرآں چیزیکہ مے بینم عزیزاں نیز دیدندے
زِ دُنیا توبہ کردندے بچشم زار وخونبارے

اگر وہ چیز جسے میں دیکھ رہا ہوں دوست بھی دیکھتے تو حصول دنیا سے رو رو کر توبہ کرتے

بہ تشویشِ قیامت ماند ایں تشویش گر بینی
علاجے نیست بہرِ دفعِ آں جُز حسن کردارے

یہ مصیبت قیامت کی مانند ہے اگر تو غور کرے، اور اس کے دُور کرنے کا علاج سوائے نیک اعمال کے اور کچھ نہیں

نشاید تافتن سرزاں جنابِ عزّت وغیرت
کہ گر خواہد کشد دریکدمے چوں کرمِ بیکارے

اُس بارگاہ عالی سے سرکشی نہیں چاہیے اگر وہ چاہے تو ایک دم میں نکمے کیڑے کی طرح تجھے فنا کردے

(''ایام الصلح'' روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 363)

اردو منظوم کلام

تقوٰی کی جڑ

جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اس رہ میں زندگی نہیں مِلتی بجز ممات
شوخی و کِبر دیو لعیں کا شعار ہے
آدم کی نسل وُہ ہے جو وُہ خاکسار ہے

اَے کِرمِ خاک! چھوڑ دے کِبر و غرُور کو
زیبا ہے کِبر حضرتِ ربِّ غیور کو
بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اِسی سے دخل ہو دارالوِصال میں

چھوڑو غرُور و کبر کہ تقوٰی اِسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضیٔ مولیٰ اِسی میں ہے
تقوٰی کی جڑ خُدا کے لئے خاکساری ہے
عِفّت جو شرطِ دیں ہے وُہ تقوٰی میں ساری ہے

جو لوگ بدگمانی کو شیوہ بناتے ہیں
تقوٰی کی راہ سے وُہ بہُت دُور جاتے ہیں
بے احتیاط اُن کی زباں وار کرتی ہے
اِک دم میں اس علیم کو بیزار کرتی ہے

اِک بات کہہ کے اپنے عمل سارے کھوتے ہیں
پھر شوخیوں کا بیج ہر اِک وقت بوتے ہیں

(درثمین اردو صفحہ 113 مطبوعہ رقیم پریس لنڈن)

کلام الامام

جماعت کو نصائح

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اے میری جماعت خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو وہ قادر کریم آپ لوگوں کو سفر آخرت کے لئے ایسا طیار کرے۔ ..... خوب یاد رکھو کہ دنیا کچھ چیز نہیں ہے۔ لعنتی ہے وہ زندگی جو محض دنیا کے لئے ہے اور بدقسمت ہے وہ جس کا تمام ہم و غم دنیا کے لئے ہے ایسا انسان اگر میری جماعت میں ہے تو وہ عبث طور پر میری جماعت میں اپنے تئیں داخل کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس خشک ٹہنی کی طرح ہے جو پھل نہیں لائے گی۔

اے سعادت مند لوگو تم زور کے ساتھ اس تعلیم میں داخل ہو جو تمہاری نجات کے لئے مجھے دی گئی ہے۔ تم خدا کو واحد لاشریک سمجھو اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو۔ نہ آسمان میں سے نہ زمین میں سے خدا اسباب کے استعمال سے تمہیں منع نہیں کرتا۔ لیکن جو شخص خدا کو چھوڑ کر اسباب پر ہی بھروسہ کرتا ہے۔ وہ مشرک ہے۔ قدیم سے خدا کہتا چلا آیا ہے کہ پاک دل بننے کے سوا نجات نہیں۔ سو تم پاک دل بن جاؤ اور نفسانی کینوں اور غصوں سے الگ ہو جاؤ۔ انسان کے نفس امارہ میں کئی قسم کی پلیدیاں ہوتی ہیں مگر سب سے زیادہ تکبر کی پلیدی ہے۔ اگر تکبر نہ ہوتا تو کوئی شخص کافر نہ رہتا۔ سو تم دل کے مسکین بن جاؤ۔ عام طور پر بنی نوع کی ہمدردی کرو جبکہ تم انہیں بہشت دلانے کے لئے وعظ کرتے ہو۔ سو یہ وعظ تمہارا کب صحیح ہو سکتا ہے اگر تم اس چند روزہ دنیا میں ان کی بدخواہی کرو خدا تعالیٰ کے فرائض کو دلی خوف سے بجا لاؤ۔ کہ تم اُن سے پوچھے جاؤ گے۔ نمازوں میں بہت دعا کرو کہ تا خدا تمہیں اپنی طرف کھینچے تمہارے دلوں کو صاف کرے۔ کیونکہ انسان کمزور ہے۔ ہر ایک بدی جو دور ہوتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی قوت سے دور ہوتی ہے اور جب تک انسان خدا سے قوت نہ پاوے کسی بدی کے دُور کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔''

(''تذکرۃ الشہادتین'' روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 63)

قرآن کریم کی مختلف قرأتیں اور حفاظت قرآن

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی تجویز پر حضرت عثمان کا فیصلہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

(تحریر: مکرم سعد محمود باجوہ صاحب مربی سلسلہ)

قرآن کی مختلف قرأتوں کی حکمت

مختلف قرأتوں کی ضرورت کے متعلق سیدنا حضرت مصلح موعود کا ارشاد پیش ہے۔فرمایا:

''قرأتیں جن پر مستشرقین اور پادریوں نے اپنے اعتراضات کی بڑی بھاری بنیا درکھی ہے۔وہ درحقیقت عرب کی مختلف اقوام کے لہجوں کا فرق تھا۔اور اس قسم کے فرق عربی زبان میں بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔کیونکہ عرب قوم مختلف آزاد زبانوں کے اندر گھری ہوئی تھی۔عرب کا ایک پہلو حبشہ کے ساتھ ملتا تھا۔دوسرا پہلو ایران کے ساتھ ملتا تھا۔تیسرا پہلو یہودیوں اور آرامیوں کے ساتھ ملتا تھا اور چوتھا پہلو ہندوستان کے ساتھ ملتا تھا۔ایسے مختلف زبانوں میں گھرے ہوئے لوگوں کی زبان لازماً ان زبانوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عرب بعض حروف کو ادا کر سکتے تھے اور بعض دوسرے ان حروف کو ادا نہیں کر سکتے تھے۔مثلاً بعض ''ر'' ادا کر سکتے تھے اور بعض ''ر'' کی جگہ ''ل'' ادا کرتے تھے۔اور بعض دفعہ کسی لفظ کے ادا کرنے میں مشکل محسوس کر کے اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ استعمال کر لیتے تھے۔اگر ایک ادیب اپنی کتاب میں ان دونوں لفظوں کو پڑھنا جائز رکھے تو دونوں قوموں کے لئے اس کتاب کا پڑھنا آسان ہو جائے گا مگر دوسری صورت میں ایک حصۂ قوم کو اس کا پڑھنا آسان ہوگا اور دوسرے حصۂ قوم کو اسکا پڑھنا مشکل ہوگا اور اگر وہ اسے پڑھے گی بھی تو اپنے اختیار سے پڑھے گی۔قرآن کریم نے اس مشکل کا یوں حل کیا کہ جتنے اختلافات تھے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے قائم مقام حروف یا قائم مقام الفاظ تجویز کر دیئے جس کی وجہ سے تمام اقوام عرب آسانی کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے پر قادر ہوگئیں۔یہ چونکہ ایک بالکل اچھوتا اور نیا طریق تھا اور قرآن کریم سے پہلے کسی کا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا اس لئے لوگوں پر شروع شروع میں یہ بات شاق گزرتی تھی۔اور ہر فریق سمجھتا تھا کہ قرآن میرے قبیلہ کی زبان میں نازل ہوا ہے۔دوسرا قبیلہ اگر لہجہ بدل کر یا حرف بدل کر کسی آیت کو پڑھتا ہے تو وہ گویا قرآن کریم میں تحریف کرتا ہے۔اس لئے شروع میں رسول کریم ﷺ کو یہ بات بار بار سمجھانی پڑی۔جب لوگ سمجھ گئے تو انکو معلوم ہوا کہ یہ عیب نہیں۔نہ معنوں میں اس سے کسی قسم کا تغیر پیدا ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو معانی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔اور ہر قوم کے پڑھنے کے لئے اس میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ:

ایک مشہور عربی ادیب نے لکھا ہے کہ ایک بادشاہ جس نے اپنے دربار میں ایک ایسے شخص کو وزارت کا عہدہ سپرد کیا

ہوا تھا جو اپنے لہجہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے ''ر'' نہیں بول سکتا تھا۔ مگر بادشاہ کو اس کے اس نقص کا کوئی علم نہیں تھا۔ ایک دفعہ کسی نے بادشاہ کے پاس شکایت کی کہ آپ نے فلاں شخص کو اپنا وزیر مقرر کیا ہوا ہے مگر اس کی تو یہ حالت ہے کہ وہ ''ر'' بھی نہیں بول سکتا۔ اور اگر کوئی ایسا لفظ اسے بولنا پڑے جس میں ''ر'' آتی ہو تو وہ ''ر'' کی جگہ ''ل'' پڑھ دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے تو اس کے اس نقص کا کوئی علم نہیں۔ لیکن چونکہ تم نے شکایت کی ہے اس لئے اب میں اس کا ضرور امتحان لوں گا اور دیکھونگا کہ تمہاری بات کہاں تک درست ہے۔ چنانچہ اس نے وزیر کو بلوایا اور اسے حکم دیا کہ اپنے سیکرٹری کو یہ آرڈر لکھواؤ کہ

أمر أمير الأمراء ان يحفر البئر في الطريق ليشرب منه المآء الصادر و الوارد.

''یعنی شہنشاہ نے حکم دیا ہے کہ شاہی راستہ پر ایک کنواں کھودا جائے تا کہ سب آنے اور جانے والے اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔''

یہ فقرہ ایسا تھا جس میں اس نے تمام ایسے الفاظ جمع کر دئے تھے جن میں ''ر'' آتی ہے۔ لیکن وہ وزیر بڑا عالم اور ہوشیار تھا۔ اس نے یہ حکم سنتے ہی فوراً اپنے سیکرٹری سے کہا کہ لکھو:

حكم حاكم الحكام ان يقلب القليب في السبيل لينتفع منه الصادي و البادي.

''یعنی تمام حکام کے حاکم اور سردار نے حکم دیا ہے کہ سبیل میں'' جو طریق کا ہم معنی تھا اور اس میں ''ر'' نہیں آتی تھی۔ ''ایک قلیب کھودا جائے'' جو بئر کا ہم معنے ہے اور اس میں بھی ''ر'' نہیں آتی بلکہ ''ل'' آتا ہے ''تا کہ اس سے صادی اور بادی یعنی شہر میں آنے والے اور شہر سے جانے والے سب فائدہ اٹھا سکیں''۔ اس جگہ بھی اس نے صادر اور وارد کی جگہ ایسے الفاظ استعمال کئے جو انہیں الفاظ کے ہم معنے تھے مگر ان میں بھی ''ر'' نہیں آتی تھی۔

بادشاہ اس کی اس ہوشیاری سے بہت متاثر ہوا اور اس نے شکایت کرنے والے سے کہا کہ تم نے تو اس لئے شکایت کی تھی کہ میں اسے اس عہدہ سے برطرف کر دوں مگر میری نگاہ میں تو اس کا مرتبہ اور بھی بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ میری زبان سے سنتے ہی اس نے میرے فقرہ کو فوراً ایسے الفاظ میں بدل دیا جو مفہوم کے لحاظ سے میرے الفاظ کے عین مطابق تھے۔ اور ان میں ''ر'' بھی نہیں آتی تھی۔ اس بات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ شخص بڑا عالم ہے اور مجھے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

اس مثال سے یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ جس طرح وہ وزیر ''ر'' نہیں بول سکتا تھا بلکہ ''ر'' کی بجائے ''ل'' بولنے پر مجبور تھا اسی طرح عرب کے مختلف قبائل میں لب ولہجہ کا اختلاف پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے بعض لوگ بعض حروف کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے مختلف قرأتوں میں قرآن کریم کی تلاوت کی اجازت دے کر ان تمام اختلافات کو مٹا دیا۔ اس طرح قرآن کریم ایک عالمگیر کتاب بن گئی جس کو مختلف لہجہ رکھنے والے عرب بھی آسانی سے پڑھ سکتے تھے اور وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ کتاب ہماری زبان میں ہی نازل ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ

فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ یعنی جو طریق تم پر آسان ہو اس کے مطابق پڑھو۔ اگر ان حروف کے بدلنے یا زیر زبر کے بدلنے سے معانی میں فرق پڑتا تو آپ یہ کیوں فرماتے کہ جس طریق پر پڑھنا تمہیں آسان ہو۔ اس طریق پر پڑھ لو۔ یہ فقرہ صاف بتاتا ہے کہ قرأتوں کا تعلق صرف تلفظ کے ساتھ ہے معانی کے ساتھ نہیں ہے اور اگر کسی جگہ تلفظ سے کوئی وسعت بھی پیدا ہوتی ہے تو اصل معنوں میں فرق نہیں پڑتا۔ اصل حکم وہی رہتا ہے جو قرآن کریم دینا چاہتا ہے"۔ (تفسیر کبیر جلد ۶۔ صفحہ ۴۱۴، ۴۱۵)

مختلف قبائل کی زبان میں فرق کی دلچسپ مثال:

میں جب حج کے لئے گیا تو ایک یمنی لڑکا جو سولہ سترہ سال کا تھا اور جو سیٹھ ابو بکر صاحب کا ملازم تھا قافلہ کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ میں راستہ میں عربی زبان میں اس سے گفتگو کر رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ میری اکثر باتوں کو سمجھ جاتا اور ان کا جواب بھی دیتا مگر بعض دفعہ وہ حیرت سے میرے منہ کو دیکھنے لگ جاتا اور کہتا کہ میں آپ کی بات کو سمجھا نہیں۔ میں حیران ہوا کہ یہ بات کیا ہے کہ یہ لڑکا عربی سمجھتا ہے مگر کبھی کبھی رک بھی جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں آپ کی بات کو نہیں سمجھا۔ جب میں مکہ پہنچا تو میں نے کسی سے ذکر کیا کہ یہ لڑکا عرب ہے اور عربی خوب سمجھتا ہے مگر باتیں کرتے کرتے بعض جگہ رک جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میری سمجھ میں بات نہیں آئی۔ معلوم نہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ تو ان صاحب نے بتایا کہ یہ لڑکا یمنی ہے اور یمنیوں اور حجازیوں کے بعض الفاظ میں بڑا بھاری فرق ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اسی اختلاف کے موقعہ پر ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اس فرق کے بارہ میں یہ لطیفہ سنایا کہ مکہ میں ایک امیر عورت تھی اس کا ایک یمنی ملازم تھا وہ عورت حقہ پینے کی عادی تھی وہاں عام رواج یہ ہے کہ حقہ کے نیچے پانی کا برتن شیشے کا ہوتا ہے اس لئے اسے کہتے بھی شیشہ ہی ہیں۔ ایک دن اس عورت نے اپنے ملازم کو بلایا اور اس سے کہا کہ غَيِّرِ الشِّيْشَةَ شیشہ بدل دو۔ لفظ تو اس نے یہ کہے کہ شیشہ بدل دو مگر محاورہ کے مطابق اس کے یہ معنے ہیں کہ اس کا پانی گرا کر نیا پانی بدل کر ڈال دو۔ ملازم نے جب یہ فقرہ سنا تو اس کے جواب میں کہا سَتِّيْ هٰذَا طَيِّبٌ۔ بیگم صاحبہ یہ تو بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ عورت نے پھر کہا کہ قُلْتُ لَکَ غَيِّرِ الشِّيْشَةَ۔ میں نے جو تم کو کہا ہے کہ بدل دو تم انکار کیوں کرتے ہو۔ نوکر نے پھر حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ سَتِّيْ هٰذَا طَيِّبٌ۔ میرے آقا یہ تو اچھا بھلا ہے۔ آخر آقا نے ڈانٹ کر کہا کہ تم میرے نوکر ہو یا حاکم ہو۔ میں جو تم سے کہہ رہی ہوں کہ اسے بدل دو تم میری بات کیوں نہیں مانتے۔ نوکر نے شیشہ اٹھایا اور باہر جا کر اس زور سے زمین پر مارا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ عورت نے کہا یہ تم نے کیا غضب کیا۔ اتنا قیمتی برتن تم نے توڑ کر رکھ دیا۔ نوکر نے کہا میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ یہ برتن بڑا اچھا ہے مگر آپ مانتی نہیں تھیں۔ اب جو میں نے توڑ دیا تو آپ ناراض ہو رہی ہیں۔ عورت نوکر پر سخت خفا ہوئی مگر ایک یمنی زبان کے واقف نے اسے سمجھایا کہ نوکر کا قصور نہیں کیونکہ حجاز میں غَيِّرْ کے معنے بدلنے کے ہیں اور محاورہ میں جب شیشہ کے ساتھ بولا جائے تو اسکا پانی بدلنے کے ہو جاتے ہیں۔ یمنی زبان میں تَغْيِيْر کے معنے توڑنے کے ہوتے ہیں۔ پس جب تم نے غَيِّرِ الشِّيْشَةَ کہا تو نوکر

اپنی زبان کے مطابق یہ سمجھا کہ تم اسے برتن توڑنے کا حکم دے رہی ہو اسی لئے وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ بی بی یہ تو اچھا بھلا ہے اسے کیوں تڑواری ہو۔مگر جب تم نہ مانیں اور بار بار زور دیا تو وہ غریب کیا کرتا۔اب دیکھو غَیِّـرِ الشَّیْشَۃَ ایک معمولی فقرہ ہے مگر زبان کے فرق کی وجہ سے یمنی نوکر نے اس کے کچھ کے کچھ معنے سمجھ لئے۔اس قسم کے الفاظ جو زبان کے اختلاف کی وجہ سے معانی میں بھی فرق پیدا کر دیتے ہیں۔اگر قرآن کریم میں اپنی اصل صورت میں ہی پڑھے جاتے تو یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ ان قبائل کو سخت مشکلات پیش آتیں اور ان کے لئے قرآن کریم کا سمجھنا مشکل ہو جاتا۔اس نقص کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہم معنی الفاظ پڑھنے کی اجازت دی جن سے قرآن کریم کے سمجھنے اور اس کے صحیح تلفظ کے ادا کرنے میں مختلف قبائلِ عرب کو دقت پیش نہ آئے۔پس مضمون تو وہی رہا صرف الفاظ یا بعض محاورات جو ایک قوم میں استعمال ہوتے تھے اور دوسری قوم میں نہیں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ یا ان محاورات کی جگہ انکی زبان کے الفاظ یا اپنی زبان کے محاورات انہیں بتا دیئے تا کہ قرآن کریم کے مضامین کی حفاظت ہو سکے اور زبان کے فرق کی وجہ سے اس کی کسی بات کو سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل نہ ہو جائے۔اسی طرح اس کا پڑھنا اور یاد کرنا بھی مشکل نہ رہے ورنہ اصل قرأت قرآن کریم کی وہی ہے جو حجازی زبان کے مطابق ہے۔اس تفصیل کو معلوم کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک عارضی اجازت تھی۔اصل کلام وہی تھا جو ابتداءً رسول کریم ﷺ پر نازل ہوا۔ان الفاظ کے قائم مقام اسی وقت تک استعمال ہو سکتے تھے جب تک قبائل آپس میں متحد نہ ہو جاتے۔

حضرت عثمانؓ کا حجازی قرأت جاری کرنے کا پُر حکمت فیصلہ:

چنانچہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب بجائے اس کے کہ مکہ والے مکہ میں رہتے۔مدینہ والے مدینہ میں رہتے۔نجد والے نجد میں رہتے۔طائف والے طائف میں رہتے۔یمن والے یمن میں رہتے اور وہ ایک دوسرے کی زبان اور محاورات سے ناواقف ہوتے۔مدینہ دارالحکومت بن گیا تو تمام قومیں ایک ہو گئیں کیونکہ اس وقت مدینہ والے حاکم تھے جن میں ایک بڑا طبقہ مہاجرین مکہ کا تھا اور خود اہل مدینہ بھی اہل مکہ کی صحبت میں حجازی زبان سیکھ چکے تھے۔پس چونکہ قانون کا نفاذ ان کی طرف سے ہوتا تھا، مال ان کے قبضہ میں تھا اور دنیا کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی تھیں۔اس وقت طائف کے بھی اور نجد کے بھی اور مکہ کے بھی اور یمن کے بھی اور دوسرے علاقوں کے بھی اکثر لوگ مدینہ آتے جاتے تھے اور مدینہ کے مہاجرو انصار سے ملتے اور دین سیکھتے تھے اور اسی طرح سب ملک کی علمی زبان ایک ہوتی جاتی تھی۔پھر کچھ ان لوگوں میں سے مدینہ میں ہی آ کر بس گئے تھے ان کی زبان تو گویا بالکل ہی حجازی ہو گئی تھی۔یہ لوگ جب اپنے وطن کو جاتے ہوں گے تو چونکہ یہ علماء اور استاد ہوتے تھے یقیناً ان کے علاقہ پر ان کے جانے سے بھی اثر پڑتا تھا۔علاوہ ازیں جنگوں کی وجہ سے عرب کے مختلف قبائل کو اکٹھا رہنے کا موقعہ ملتا تھا اور افسر چونکہ اکابر صحابہ ہوتے تھے انکی صحبت اور ان کی نقل کی طبعی خواہش بھی زبان میں یک رنگی پیدا کرتی تھی۔پس گو ابتداء میں تو لوگوں کو قرآن کریم کی زبان سمجھنے میں دقتیں پیش آتی ہوں گی مگر مدینہ کے دارالحکومت بننے کے بعد

جب تمام عرب کا مرکز مدینہ منورہ بن گیا اور قبائل اور اقوام نے بار بار وہاں آنا شروع کر دیا تو پھر اس اختلاف کا کوئی امکان نہ رہا کیونکہ اس وقت تمام علمی مذاق کے لوگ قرآن کریم کی زبان سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے چنانچہ جب لوگ اچھی طرح واقف ہو گئے حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ آئندہ صرف حجازی قرأت پڑھی جائے اور کوئی قرأت پڑھنے کی اجازت نہیں۔ آپ کے اس حکم کا مطلب یہی تھا کہ اب لوگ حجازی زبان کو عام طور پر جاننے لگ گئے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ انہیں حجازی عربی کے الفاظ کا بدل استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عثمانؓ کے اس حکم کی وجہ سے ہی شیعہ لوگ جو سنیّوں کے مخالف ہیں کہا کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن بیاض عثمانی ہے حالانکہ یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک عربوں کے میل جول پر ایک لمبا عرصہ گذر چکا تھا اور وہ آپس کے میل جول کی وجہ سے ایک دوسرے کی زبانوں کے فرق سے پوری طرح آگاہ ہو چکے تھے۔ اس وقت اس بات کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اور قرأتوں میں بھی لوگوں کو قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دی جاتی۔ یہ اجازت محض وقتی طور پر تھی اور اس ضرورت کے ماتحت تھی کہ ابتدائی زمانہ تھا قومیں متفرق تھیں اور زبان کے معمولی معمولی فرق کی وجہ سے الفاظ کے معنی بھی تبدیل ہو جاتے تھے۔ اس نقص کی وجہ سے عارضی طور پر بعض الفاظ کو جو ان قبائل میں رائج تھے اصل وحی کے بدل کے طور پر خدا تعالیٰ کی وحی کے طور پر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی تا کہ قرآن کریم کے احکام کے سمجھنے اور اس کی تعلیم سے روشناس ہونے میں کسی قسم کی روک حائل نہ ہو اور ہر زبان والا اپنی زبان کے محاورات میں اس کے احکام کو سمجھ سکے اور اپنے لہجہ کے مطابق پڑھ سکے۔ جب بیس سال کا عرصہ اس اجازت پر گذر گیا، زمانہ ایک نئی شکل اختیار کر گیا، قومیں ایک نیا رنگ اختیار کر گئیں، وہ عرب جو متفرق قبائل پر مشتمل تھا ایک زبردست قوم بلکہ ایک زبردست حکومت بن گیا، آئینِ ملک کا نفاذ اور نظامِ تعلیم کا اجراء ان کے ہاتھ میں آ گیا، مناصب کی تقسیم ان کے ہاتھ میں آ گئی، حدود اور قصاص کے احکام کا اجراء انہوں نے شروع کر دیا تو اس کے بعد اصلی قرآنی زبان کے سمجھنے میں لوگوں کو کوئی دقت نہ رہی اور جب یہ حالت پیدا ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے بھی اس عارضی اجازت کو جو محض وقتی حالات کے ماتحت دی گئی تھی منسوخ کر دیا اور یہی اللہ تعالیٰ کا منشاء تھا مگر شیعہ لوگ حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑا قصور قرار دیتے ہیں تو یہی کہ انہوں نے مختلف قرأتوں کو مٹا کر ایک قرأت جاری کر دی۔ حالانکہ اگر وہ غور کرتے تو آسانی سے سمجھ سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے مختلف قرأتوں میں قرآن کریم پڑھنے کی اجازت اسلام کے دوسرے دور میں دی ہے ابتدائی دور میں نہیں۔ جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ قرآن کریم کا نزول تو حجازی زبان میں ہوا ہے مگر قرأتوں میں فرق دوسرے قبائل کے اسلام لانے پر ہوا۔ چونکہ بعض دفعہ ایک قبیلہ اپنی زبان کے لحاظ سے دوسرے قبیلہ سے کچھ فرق رکھتا تھا اور یا تو وہ تلفظ صحیح نہیں ادا کر سکتا تھا یا ان الفاظ کا معنوں کے لحاظ سے فرق ہو جاتا تھا اس لئے رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت بعض اختلافی الفاظ کے لہجہ کے بدلنے یا اُن کی جگہ دوسرا لفظ رکھنے کی اجازت دے دی۔ مگر اس کا آیات کے مفہوم یا ان کے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا بلکہ یہ اجازت نہ دی

ہوتی تو فرق پڑتا۔۔۔۔۔چھوٹے چھوٹے فرق ہیں جو مختلف قرأتوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے مگر ان کا نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ ہر شخص سمجھ سکتا تھا کہ یہ تمدن اور تعلیم اور زبان کے فرق کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔۔۔۔۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی قرأت کے فرق کو بعض جگہ پیش کیا ہے۔۔۔۔۔پس قرأتوں کا اختلاف یا تو قبائلی زبانوں کے فرق کے ضرر سے بچانے کے لئے ہے یا قرآنی معنوں کی وسعت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے۔"

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۴۷ تا ۵۲)

مخالف اسلام علماء کا حفاظتِ قرآن (لفظی) کے حوالہ سے اعتراف:

الفضل ما شهدت به الاعداء

مختلف قرأتوں کا معاملہ واضح ہے صرف ناواقف انسان ہی اس سے دھوکہ کھا سکتا ہے ورنہ قرآن کریم کی حفاظت کے بیان میں اختلاف قرأت کا باب کوئی رخنہ نہیں بلکہ ایک اضافی خوبی ہے جو ایک وقت تک قرآن کریم کی حفاظت اور اس کی تعلیم کی اشاعت کے لیے عمومی طور پر استعمال میں لائی گئی اور جب اس کی افادیت سے زیادہ اس کا نقصان محسوس ہونے لگا تو اس چھوڑ دیا گیا۔ اہل علم حضرات اس بارہ میں کسی قسم کے شک وشبہ میں مبتلا نہیں۔ چنانچہ ایک مستشرق John Burton قرأت کے حوالہ سے لکھتا ہے:

"No major differences of doctrines can be constructed on the basis of the parallel readings based on the Uthmanic consonantal outline, yet ascribed to mushafs other than his. All the rival readings unquestionably represent one and the same text. They are substantially agreed in what they transmit........"

(John Burton, The Collection of the Qur'an, Cambridge: Cambridge University Press, 1977, p. 171)

''(حضرت) عثمانؓ کے مصحف کے متوازی مختلف قرأتوں کے چلنے سے اعتقادی طور پر کوئی بڑا اختلاف ممکن نہیں تھا اور تمام دوسری قرأتیں بلاشبہ ایک ہی متن کی نمائندگی کرتی تھیں۔ یہ مکمل طور پر ایک متفقہ مضمون آگے منتقل کرتی تھیں"۔

ولیم میور کہتا ہے:

No early or trustworthy traditions throw suspicion upon Othman of tempering with the Coran in order to support his own claim....... At the time of the recension, there were still multitudes alive who had the Coran, as originally delivered, by heart; ...... Both of these sources must have proved an effectual

check upon any attempt of suppression.

(W Muir, The Life Of Mohammad, 1912,Edinburgh Pg: 558-559)

”کسی بھی پرانی اور معتبر روایت سے ذرہ بھر شک کرنے کی وجہ پیدا نہیں ہوتی کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دعویٰ کی تائید میں قرآن شریف میں ایک ذرہ بھی تصرف کیا ہو..... حضرت عثمانؓ کے تدوین قرآن کے وقت ابھی ہزارہا ایسے حفاظ صحابہ زندہ تھے جنہوں نے وقت نزول سے ہی قرآن شریف کو سن کر حفظ کرلیا ہوا تھا.... یہ دونوں لازماً ذرائع ایسے تصرف کو ثابت کرتے اور موثر انداز میں اس کی روک تھام کرتے“۔

اسی طرح کہتا ہے:

The recension of 'Uthman has been handed down to us unaltered. So carefully, indeed, has it been preserved, that there are no variations of importance, - we might almost say no variations at all, - amongst the innumerable copies of the Koran scattered through out the vast bounds of empire of Islam. Contending and embittered factions, taking their rise in the murder of 'Uthman himself within a quarter of a century from the death of Muhammad have ever since rent the Muslim world. Yet but ONE CORAN has always been current amongst them.... There is probably in the world no other work which has remained twelve centuries with so pure a text.

(W Muir, The Lfe Of Mohammad, 1912, Edinburgh, John Grant, pp. xxii-xxiii.)

”حضرت عثمانؓ کے عہد میں کی جانے والی تدوین ہم تک بلا ردّو بدل پہنچی ہے۔یقینی طور پر اتنی احتیاط کے ساتھ محفوظ کی گئی ہے کہ تحریف کا کوئی امکان بھی نہیں ہے۔ہم شائد حتمی طور پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وسیع اسلامی سلطنت کی حدود میں شائع بے شمار صحائف میں کوئی ادنیٰ سی تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔محمد(ﷺ) کی وفات سے لے کر عثمانؓ کی شہادت تک عالم اسلام بہت مشکل ادوار سے گزرا لیکن ہمیشہ مسلم دُنیا میں ایک ہی قرآن رائج رہا...اس دُنیا میں قرآن کریم کے علاوہ اور کوئی کتاب ایسی نہیں جسکا متن بارہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اتنا محفوظ ہو جتنا قرآن کا ہے“۔

نولڈکے کا قول ہے:

Slight clerical errors there may have been,but the Quran of the Othman contains none but genuine elements,though sometimes in very strange

order.Efforts of European scholars to prove the existance of later interpolations in the Quran have failed". (Ency.Britanica,Word: Quran)

’’ممکن ہے کہ تحریر کی کوئی معمولی غلطیاں (طرز تحریر) ہوں تو ہوں لیکن جو قرآن عثمان نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اسکا مضمون وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔گو اسکی ترتیب عجیب ہے۔یورپین علماء کی یہ کوششیں کہ وہ ثابت کریں کہ قرآن میں بعد کے زمانے میں بھی کوئی تبدیلی ہوئی ہے بالکل ناکام ثابت ہوئی ہیں۔‘‘(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۷)

ولیم میور لکھتا ہے:

What we have, though possibily created and modified by Himself, is still his own.

’’اب جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے۔گو یہ بالکل ممکن ہے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے زمانے میں اسے خود بنایا ہو اور بعض دفعہ اس میں خود ہی تبدیلیاں کردی ہوں۔مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ وہی قرآن ہے۔جو محمد (ﷺ) نے ہمیں دیا تھا‘‘۔

پھر وہ لکھتا ہے:

We may upon the strongest presumption affirm that every verse in the Qur'an is genuine and unaltered composition of Muhammad Himself.

’’ہم نہایت مضبوط قیاسات کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں ہر ایک آیت جو قرآن میں ہے وہ اصلی ہے۔اور محمدؐ (آنحضرت ﷺ) کی غیر محرف تصنیف ہے‘‘۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۱۶)

پھر وہ تورات وانجیل کے حوالہ سے ان پر حسرت الفاظ میں لکھتا ہے:

To compare their pure texts with the various readings of our Scriptures is to compare things between which there is no comparison.

’’مسلمانوں کی بالکل پاک اور غیر تبدیل شدہ کتاب اور ہماری کتب کے مختلف نسخوں کے باہمی اختلاف کا مقابلہ کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے دو ایسی چیزوں کا مقابلہ کیا جائے جن میں باہمی کوئی بھی مشابہت نہیں‘‘۔

(تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۱۶۔۱۷)

سیدنا حضرت مصلح موعود حفاظتِ قرآن کے معجزانہ دعویٰ کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

دیگر مذہبی کتب کا حال:

’’آج دنیا کے پردہ پر کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہو کہ جس شکل وصورت میں

اُس کتاب کو مذہب کے بانی نے پیش کیا تھا اسی شکل وصورت میں وہ اب دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کتابوں کے متعلق یہ فیصلہ کردیا تھا کہ وہ مٹ جائیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ چاہتا تھا اُن کی جگہ اور کتاب نازل کرے۔ ورنہ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء تھا کہ تورات دنیا میں قائم رہے تو جس خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ پر تورات نازل کی تھی کیا وہ اس بات پر قادر نہیں تھا کہ اس کے مٹ جانے کی صورت میں دوبارہ ایک نبی موسیٰ جیسا کھڑا کردیتا۔ اور کہتا کہ چونکہ تورات مٹ چکی ہے اس لئے اب میں تجھ پر اصل تورات نازل کرتا ہوں اسے دنیا میں پھیلا۔ یا کیا خدا تعالیٰ یہ بھی نہیں کرسکتا تھا کہ جو لوگ تورات کو مٹانے لگے تھے ان کو خود اپنے عذاب سے ہلاک کردیتا۔ اس طرح اگر ژند اوستا قائم رہنے والی چیزیں تھیں اور خدا تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ وہ دنیا میں محفوظ رہیں اور لوگ ان پر عمل کریں تو کیا سکندر کو خدا تعالیٰ اپنے عذاب سے کچل نہیں سکتا تھا۔ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء تھا کہ ویدوں پر ہی عمل کیا جائے تو کیا خدا ان پنڈتوں اور دوانوں کو مار نہیں سکتا تھا جنہوں نے وید بدلنے کی کوشش کی۔ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء تھا کہ تورات اپنی اصل صورت میں قائم رہے تو کیا خدا تعالیٰ بخت نصر کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشاء تھا کہ دنیا کا انجیل پر ہی عمل رہے تو کیا اللہ تعالیٰ ان خرابیوں کو جو خدا تعالیٰ نے انجیل میں پیدا کردیں دور نہیں کرسکتا تھا۔ یقیناً خدا تعالیٰ ایسا کرسکتا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان تغیرات کو ہونے دیا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا خود یہ منشاء تھا کہ یہ کتابیں دنیا میں محفوظ نہ رہیں۔

قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا وعدہ:

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جن چیزوں کو خدا تعالیٰ بچانے کا ارادہ رکھتا ہے دنیا لاکھ کوشش کرے وہ ان چیزوں کو بگاڑ نہیں سکتی۔ جب تک عیسیٰؑ کی تعلیم کو خدا تعالیٰ نے محفوظ رکھنا چاہا اس نے اس تعلیم کی حفاظت کی۔ جب تک زرتشت کی تعلیم سے اس نے کام لینا چاہا اس نے اس تعلیم کو دنیا سے مٹنے نہ دیا۔ مگر جب ان کتب کا کام ختم ہوگیا تو ان کتابوں سے اپنی حفاظت بھی اٹھالی۔ غرض اللہ تعالیٰ کی سنت سے یہ ثابت ہے کہ وہ الہامی کتابوں کو اس وقت تک جب تک وہ دنیا کے لئے مفید اور نفع رساں رہتی ہیں ہر قسم کے تصرف اور تحریف والحاق سے محفوظ رکھتا ہے۔ مگر جب ان کا کام ختم ہوجاتا ہے تو دنیا ان میں بگاڑ پیدا کرنا شروع کردیتی ہے۔ اسی طرح پیدائش عالم میں جو چیزیں عارضی فوائد کی حامل ہوں وہ ایک عرصہ کے بعد گل سڑ جاتی ہیں مگر جو چیزیں لمبے فوائد کی حامل ہوں وہ چلتی چلی جاتی ہیں اسی دلیل کا ذکر اللہ تعالیٰ اس آیت میں کرتا ہے اور فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی (اعلیٰ:7)۔ ہم تجھے وہ تعلیم دیں گے جسے تو بھولے گا نہیں۔ یہاں تُو سے مراد رسول کریم ﷺ نہیں بلکہ ساری امت محمدیہ مراد ہے۔ اور یہ قرآن کریم کا طریق بیان ہے کہ کہیں صرف نبی کو مخاطب کیا جاتا ہے مگر مراد ساری جماعت ہوتی ہے۔ پس ”تو بھولے گا نہیں“ سے یہ مراد نہیں کہ صرف رسول کریم ﷺ نہیں بھولیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ امت محمدیہ اس کو نہ بھولے گی اور اس کے الفاظ محفوظ رکھے جائیں گے۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

الذِّكرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُونَ (حجر:١٠) ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کا وعدہ کرتے ہیں۔پس سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کریم صرف رسول اللہ ﷺ کو یاد رہے گا۔رسول کریم ﷺ کو اس کا یاد رہنا دنیا کے لئے حجت نہیں ہوسکتا ۔۔۔۔۔۔اگر فَلَا تَنْسٰى سے صرف رسول کریم ﷺ یا آپ کے صحابہؓ مراد لئے جائیں تو کوئی ایسی دلیل نہیں بنتی جو مخالفین کے لئے حجت کا کام دے سکے۔اور چونکہ قرآن کریم کی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس آیت کے ایسے معنی کئے جائیں جو قرآن کریم اور اسکی عظمت کے مطابق ہوں۔اور جس کی دوسری آیات سے تائید ہوتی ہو اور وہ معنے یہی ہیں کہ فَلَا تَنْسٰى میں صرف رسول کریم ﷺ مراد نہیں بلکہ آپؐ بھی اور آپؐ کے تمام متبع بھی مراد ہیں۔اور اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ ہم تمہیں وہ کلام سکھائیں گے جسے قیامت تک تم نہیں بھولو گے۔بلکہ یہ کلام اسی طرح محفوظ رہے گا جس طرح اس وقت ہے۔

چنانچہ اس دعویٰ کا ثبوت یہ ہے کہ اسلام کے اشد ترین معاند بھی آج کھلے بندوں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم اسی شکل وصورت میں محفوظ ہے جس شکل میں رسول کریم ﷺ نے اس کو پیش فرمایا۔نولڈ کے،سپرنگر اور ولیم میور سب نے اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے کہ قطعی اور یقینی طور پر ہم سوائے قرآن کریم کے اور کسی کتاب کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس شکل میں بانی سلسلہ نے وہ کتاب پیش کی تھی اسی شکل میں وہ دنیا کے سامنے موجود ہے۔صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے متعلق حتمی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس شکل میں محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ کتاب دی تھی اسی شکل میں محفوظ ہے۔وہ لوگ چونکہ اس بات کے قائل نہیں کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے بلکہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ کتاب خود بنائی ہے اس لئے وہ یہ تو نہیں کہتے کہ جس شکل میں یہ کتاب نازل ہوئی تھی اسی شکل میں محفوظ ہے مگر وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ جس شکل میں محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ کتاب پیش کی تھی اسی شکل میں یہ کتاب اب تک دنیا میں پائی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔یورپین مصنفین نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ جہاں تک قرآن کی ظاہری حفاظت کا سوال ہے اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔بلکہ لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً یہ وہی کتاب ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو پڑھ کر سنائی۔

حفاظت قرآن کی پیشگوئی کی عظمت:

غور کرو اور یہ کتنی عظیم الشان پیشگوئی ہے جو ان چند الفاظ میں کی گئی ہے کہ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ۔اور پھر یہ پیشگوئی اس زمانہ میں کی گئی ہے جب رسول کریم ﷺ پر صرف چند لوگ ایمان لانے والے پائے جاتے تھے۔ساری دنیا آپ کی مخالف تھی۔اور وہ آپؐ کے نام کو صفحۂ ہستی سے معدوم کرنے کے لئے تلی ہوئی تھی۔یہ نہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں لوگ آپؐ کے ساتھ ہوں اور آپ ایک جتھا کو اپنے اردگرد دیکھ کر کہنے لگ گئے ہوں کہ اب اس کتاب کو کوئی مٹا نہیں سکتا بلکہ آپؐ یہ پیشگوئی ایسی حالت میں کرتے ہیں جب آپؐ دنیا کے ہر تیر کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور آپؐ پر ایمان لانے والے

انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ ایسی نازک اور کمزور حالت میں آپ فرماتے ہیں یہ قرآن دنیا میں قائم رہے گا اور کوئی شخص اس کو مٹانے کی قدرت نہیں رکھے گا۔ لاکھوں اور کروڑوں ماننے والوں کے ہوتے ہوئے وید بدل گئے۔ لاکھوں اور کروڑوں ماننے والوں کے ہوتے ہوئے تورات بدل گئی۔ لاکھوں اور کروڑوں ماننے والوں کے ہوتے ہوئے انجیل بدل گئی۔ لاکھوں اور کروڑوں ماننے والوں کے ہوتے ہوئے زرتشت کی کتابیں بدل گئیں۔ لیکن ایک انسان جس کے ساتھ صرف اسی نوے آدمی ہیں۔ وہ ایک ایسے ملک میں جہاں حفاظت کا کائی سامان نہ تھا۔ جہاں کسی قسم کی لائبریریاں نہ تھیں۔ جہاں کسی قسم کی تعلیم کا رواج نہ تھا اعلان کرتا ہے کہ میری یہ کتاب ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ قیامت تک قائم رہے گی۔ اور دنیا اس کے ایک شوشہ کو بھی بدلنے کی طاقت نہیں رکھے گی۔ اگر مکہ کے لوگ پڑھے لکھے ہوتے تب بھی خیال کیا جا سکتا تھا کہ شائد مکہ کے لوگوں کی تعلیمی قابلیت کو دیکھ کر یہ اعلان کیا گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ اسلام ان لوگوں میں آیا جو لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ ابتدائی مکی صحابہ میں سے صرف تین چار ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ سات افراد سمجھ لو۔ اور کل جماعت جو آپؐ کے اردگرد تھی وہ اسی نوے افراد سے زیادہ نہیں تھی۔ ایسی حالت میں یہ کتنی زبردست اور عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ ہم تجھے قرآن پڑھائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو قرآن کو بھولے گا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دوسروں کو نہیں پڑھایا مگر تیرے لئے چونکہ ہماری ربوبیتِ اعلیٰ ظاہر ہوئی ہے اس لئے ہم تجھے ایسا اعلیٰ درس دیں گے جو تجھے کبھی نہیں بھولے گا۔ یعنی وہ کلام جو تجھ پر نازل ہوگا وہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہے گا۔ اب دیکھو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کے کیسے اعلیٰ سامان پیدا فرما دئے کہ نہ صرف اس نے باطنی حفاظت کی بلکہ ظاہری حفاظت کے لئے بھی اس نے متعدد سامان پیدا کر دئے"۔ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۳)

<u>مراجع و مصادر:</u> ۱۔ نور الدین، حضرت حکیم مولوی، خلیفۃ المسیح الاوّل، حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۳۷۲۔

۲۔ بشیر الدین محمود احمد، حضرت مرزا، سیدنا مصلح موعود، تفسیر کبیر۔ جلد ۶، صفحہ ۴۱۴۔۴۱۵۔ جلد ۴، صفحہ ۱۷۔ جلد ۸، صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۳۔ جلد ۹، صفحہ ۴۷ تا ۵۲۔

۳۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، خاتم الحفاظ، وفات: ۸۵۲ھ، تقریب التھذیب، دار الکتب العلمیة۔ بیروت۔ لبنان، طبعہ ثانیہ ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵م، "ذکر من اسمہٗ حبان بالکسر"۔ جلد اول صفحہ ۱۹۲۔

۴۔ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد عبد البرّ القرطبی، وفات: ۴۶۳ھ، الاستیعاب فی معرفة الاصحاب، دار الکتب العلمیة۔ بیروت۔ لبنان۔ طبعہ اولیٰ، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵م، "باب حرف الحاء۔ باب حذیفة"، جلد اول صفحہ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔

۵۔ ابو بکر احمد بن علی منجویہ الاصبھانی، (۳۴۷۔۳۴۸ھ)، رجال صحیح مسلم، دار المعرفة۔ بیروت، طبعہ اولیٰ

۱۴۰۷۔۱۹۸۷م،"باب الحاء ذکر من اسمہ حذیفۃ. حذیفۃ بن الیمان العبسی"جلد اول صفحہ۱۴۵۔

۶۔امام حافظ شہاب الدین احمد بن الحجر العسقلانی، وفات:۸۵۲ھ،تہذیب التہذیب،عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، "حرف الحاء من اسمہ حذیفۃ"۔جلد۲صفحہ۱۹۳۔

۷۔احمد بن عبد اللہ بن اسحاق بن مہران الصبہانی۔ابو نعیم الاصبہانی، (۳۳۹۔۴۳۰ھ)،معرفۃ الصحابۃ، دار الوطن للنشر،طبعہ اولیٰ،۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸م،"باب الحاء . حذیفۃ بن الیمان"۔جلد۲صفحہ۶۸۶ تا ۶۹۱۔

۸۔علامہ ابوالحسن علی الجزری ابن اثیرؒ،(۵۵۵۔۶۳۰ھ)،اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار المعرفۃ۔بیروت۔ لبنان،طبعہ ثانیہ۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۱م،"حرف الحاء باب الحاء و الذال. حذیفہ بن الیمان"،صفحہ۴۴۲۔۴۴۴۔

۹۔حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف،(۶۵۴۔۷۴۲ھ)،تہذیب الکمال فی اسماء الرجال،دار الفکر۔ ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴م،"باب الحاء من اسمہ حذیفۃ"جلد۴صفحہ۱۹۱ تا ۲۰۰۔

۱۰۔امام ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن المنصور،وفات۵۶۲ھ، الانساب،دار الجنان. طبعہ اولیٰ۔۱۴۰۸ھ۔ ۱۹۸۸م،بیروت،لبنان،"حرف الحاء، باب الحاء و الذال"،جلد۳،صفحہ۱۸۲

۱۱۔سیدہ انوار زہرا زبیدی، تاریخ انبیاء علیہم السلام اور اقوام عالم (حصہ اول)۔(تورات، زبور، انجیل، اور قرآن مجید کی روشنی میں)،بار سوئم،۲۰۰۶ء،ادارہ زین المفکرین،HSR Hi-Tech پرنٹرز، کراچی۔صفحہ۲۰ تا ۲۶۔

۱۲۔سید قاسم محمود،شاہکار انسائیکلوپیڈیا، اردو بازار لاہور،

۱۳۔تاریخ ابن خلدون۔مترجم۔علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی جلد اول صفحہ۳۶۲ تا ۳۶۸۔۴۲۱،۴۲۲۔

۱۴۔ابن ابی داؤد،کتاب المصاحف الجزء الاول

۱۵۔فتح الباری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن جزء۹۔

۱۶۔ علاء الدین مغلطائی، علامہ(۶۸۹ تا ۷۶۲ھ)۔اکمال تھذیب الکمال فی اسماء الرجال،ناشر الفاروق الحدیثیۃ للطباعۃ و النشر، طبعۃ اولیٰ،۱۴۲۲ھ،"من اسمہ حذیفۃ"، جلد۴صفحہ۱۶۔۱۷۔

۱۷۔عبدالصمد صارم الازہری،تاریخ القرآن،۱۹۸۵،ندیم یونس پرنٹرز لاہور،پبلشرز: مکتبہ معین الادب اردو بازار لاہور صفحہ۸۱

۱۸۔ John Burton, The Collection of the Qur'an, Cambridge: Cambridge University Press, 1977

۱۹۔ W Muir, The Life Of Mohammad, 1912,Edinburgh

شجرِ عظیم

(کلام: مکرم عطاء المجیب راشد صاحب)

یوں تو دنیا میں گلستاں ہیں بہت اور جا بجا
ہر طرف ہے رنگ و بو، اشجار ہیں بے انتہا
اک شجر لیکن ہے سب اشجار سے بالکل جدا
اپنی عظمت اور یکتائی میں ہے سب سے سوا
باعثِ صد رشک ہے یہ امتیاز اس کا جلی
مالکِ کون و مکاں کے ہاتھ سے ہے یہ لگا
باغباں اس کا خدا ہے اور محافظ بھی وہی
اس کے سایہ میں شجر یہ پھولتا پھلتا رہا
اس کی شاخیں ہر زماں بڑھتی رہیں سوئے فلک
اور جڑیں زیرِ زمیں پاتی رہیں نشوونما
دشمنوں نے بارہا چاہا کہ دیں اس کو اکھیڑ
دستِ قدرت بار بار اس کی پنہ بنتا رہا
پیڑ یہ ایسا ہے پھل اس کو سدا لگتے رہے
جب شہیدانِ وفا کا خوں بنا اس کی غذا
دیکھتے ہی دیکھتے ایسا تناور ہو گیا
اس کی عظمت کا ہے شاہد ایک عالَم بَرملا
وہ شجر جلوہ فگن ہے آج ہفت اقلیم پر
اس کے سایہ میں سکوں پاتے ہیں جویانِ خدا
یہ شجر ہے احمدیت، مامنِ ہر جن و انس
آیا جو اس کے تلے وہ پا گیا رازِ بقا
ایک عالَم جل رہا ہے دھوپ میں بے سائباں
شکر مولیٰ کہ ہمیں یہ سایۂ رحمت ملا

ایک یادگار سفر

(مکرم آفتاب احمد صاحب فیصل آباد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ مستورات میں اس بات پر بحث ہوگئی کہ حضرت مولوی نور الدین صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب میں سے کس کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو زیادہ تعلق ہے؟ آخر معاملہ حضرت اماں جان تک پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے علم میں تو بڑے مولوی صاحب (یعنی حضرت خلیفہ اوّل) کے ساتھ زیادہ محبت ہے۔ مگر ابھی امتحان کئے لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کیا کہ آپ کے سب سے زیادہ پیارے رفیق...... ابھی اس فقرہ کو پورا نہیں کرنے پائی تھیں کہ حضرت اقدسؑ نے جلدی سے فرمایا کہ کیوں مولوی نور الدین صاحب کو کیا ہوا؟ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے اس قدر محبت اور عقیدت کی وجہ سے ہی جماعت کا ہر فرد اپنے دل میں حضرت خلیفہ اول کے لئے ہمیشہ سے ایک خاص احترام رکھتا ہے۔ چنانچہ کچھ روز پہلے محترم چوہدری محمد اور یس صاحب ناظم انصار اللہ علاقہ فیصل آباد نے فون پر جب یہ کہا کہ ہم کچھ انصار پنڈ دادنخان اور بھیرہ میں حضرت مولوی صاحب سے نسبت رکھنے والی عمارات مثلاً سکول، مطب، البیت اور رہائش گاہ وغیرہ کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں اور یہ کہ خاکسار کو بھی اس پروگرام میں شرکت کی دعوت ہے تو میں نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔

پروگرام کے مطابق پہلے پنڈ دادنخان جانا تھا جہاں پر اس سکول کو دیکھنا تھا جس میں حضرت خلیفہ اول کی بطور ہیڈ ماسٹر تعیناتی ہوئی تھی۔ پھر کھیوڑہ جہاں دنیا کی دوسری بڑی نمک کی کان پائی جاتی ہے اور سیاحتی نقطہ نظر سے ایک بہترین تفریحی مقام بھی ہے اس کے بعد کٹاس جو ہندو دھرم کی روایتوں کے مطابق لارڈ شیوا سے ایک خاص نسبت رکھتا ہے اور اس اعتبار سے ہندوؤں کے لئے نہایت مقدس مقام ہے۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام کلر کہار کے پرفضاء مقام پر وہاں کی مقامی جماعت کے ایک نہایت مخلص احمدی دوست نے کیا ہوا تھا اور پھر بھیرہ جہاں حضرت خلیفہ اوّل کے مکان، مطب، البیت جیسی عمارتوں کی زیارت، جو ہمارے اس سیاحتی دورے کا بنیادی مقصد تھی۔

فیصل آباد سے بذریعہ موٹر وے راولپنڈی اسلام آباد کی جانب سفر کریں تو قریب دو گھنٹے کی مسافت کے بعد کلر کہار انٹرچینج آتا ہے۔ پنڈ دادنخان اور کھیوڑہ سالٹ مائنز جانے کے لئے اس انٹرچینج کے مقام پر موٹر وے چھوڑنی پڑتی ہے۔ یہاں سے ایک سڑک نکلتی ہے جو پنڈ دادنخان ہوتی ہوئی کھیوڑہ سالٹ مائنز تک جا پہنچتی ہے۔ پنڈ دادنخان انٹرچینج سے 28 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

دریائے جہلم کے کنارے واقع تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم کی حدود میں واقع ایک قدیم تاریخی قصبہ اور تحصیل ہیڈکوارٹر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آج سے قریب اڑھائی ہزار سال قبل سکندر اعظم نے اس علاقے میں پڑاؤ کیا تھا۔ تاہم پنڈ دادنخان کا نام پنجاب کے ایک سابق حکمران نواب دادنخان کے نام پر رکھا گیا۔ لیکن ہمیں پنڈ دادنخان کی اس تاریخی اہمیت سے زیادہ اس سکول کی زیارت میں دلچسپی تھی جہاں 1870ء کے قریب حضرت خلیفہ اوّل کی بطور ہیڈ ماسٹر تعیناتی ہوئی تھی۔ اس زمانے میں اس سکول کا نام خالصہ مڈل سکول تھا جو 1864ء میں قائم کیا گیا سکول کی یہ قدیم عمارت تو اب بہت خستہ ہو چکی ہے اور یہاں پر تدریس کا سلسلہ ایک عرصے سے موقوف ہے۔ اس قدیم عمارت کے گرد اگرد اب نیا سکول تعمیر کر دیا گیا ہے۔ جس کا نام راجہ غضنفر علی خان ہائی سکول ہے۔ اپنی تاریخی اہمیت اور بہترین نتائج کی بنیاد پر یہ سکول اس علاقے میں ایک خاص شہرت رکھتا ہے۔ اس سکول کے مرکزی دروازے کے بالمقابل قریب ہی نواب دادنخان اور راجہ غضنفر علی خان کے مزار بھی واقع ہیں۔

ہماری اگلی منزل کھیوڑہ سالٹ مائنز تھی۔ مجھے پاکستان کے اور کسی حد تک دنیا کے کچھ دیگر ممالک کے تاریخی مقامات عجائبات اور سیرگاہیں دیکھنے کا موقع ملا ہے لیکن کھیوڑہ سالٹ مائنز کی سیر کی کچھ اپنی ہی بات ہے اور سچ پوچھئے تو میرے نزدیک کھیوڑہ سالٹ مائنز عجائبات عالم میں سے ایک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ 320 ق م میں سکندر اعظم کی فوجوں کا راجہ پورس کی فوجوں سے اس مقام پر ٹکراؤ ہوا۔ اپنے پڑاؤ کے دوران سکندر اعظم کی فوج کے کچھ سپاہیوں نے لشکر کے گھوڑوں کو پتھر چاٹتے دیکھا۔ اپنے گھوڑوں کی اس غیر معمولی حرکت کے مشاہدہ سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ پتھر درحقیقت نمک کے پتھر ہیں۔ اور یوں دنیا کی دوسری سب سے بڑی نمک کی کان کی دریافت ہوئی۔

سالٹ مائنز کے اندر سیر کرتے ہوئے انسان خدا تعالیٰ کی صناعی پر حیران رہ جاتا ہے۔ اور بے اختیار زبان پر اس کی حمد و ثناء کا ورد جاری ہو جاتا ہے۔ 110 مربع میل کے علاقے پر پھیلا ہوا سالٹ رینج کا یہ سلسلہ ہر سال دنیا بھر سے تقریباً چالیس ہزار سیاحوں کو اپنے قدرتی حسن سے مسحور کرتا ہے۔

کان کے اندر جانے کے لئے یوں تو ٹرین کی سہولت بھی موجود ہے لیکن سب انصار بھائیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کان کے اندر پیدل جایا جائے تاکہ اردگرد کے ماحول کا بغور مشاہدہ کیا جا سکے۔ یہ ایک درست فیصلہ تھا کیونکہ ہمارے گائڈ نے ہمیں بتایا کہ نمک کی کان کے اندر کی آب و ہوا اور ماحول کچھ ایسا ہے کہ آپ جتنا چاہیں پیدل چلیں سانس نہیں پھولتا۔ اپنی اس خصوصیت کے پیش نظر نمک کی کانیں دمہ کے مریضوں کو حیرت انگیز طور پر شفایاب کرتی ہیں۔ حکومت نے دمہ کے مریضوں کے لئے کان کے اندر ایک ہسپتال بھی تعمیر کیا ہے۔ عموماً مکمل علاج کا دورانیہ ایک ماہ بتلایا جاتا ہے۔ مگر اکثر مریض مکمل شفایاب ہو کر اس سے قبل ہی ہسپتال سے چھٹی کر جاتے ہیں۔

ہمارے گائیڈ نے ہمیں بتایا کہ ان کانوں سے نمک نکالنے کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے لیکن اب نہایت جدید طریقے سے نمک حاصل کیا جاتا ہے۔ہم نے کانوں کے اندر جگہ جگہ پانی کے تالاب دیکھے۔ہمارے پوچھنے پر گائیڈ نے بتایا کہ یہ پانی دراصل نمک کا انتہائی سیر شدہ محلول ہے۔ان میں سے بعض تالابوں کی گہرائی 100 فٹ تک تھی۔گائیڈ نے مزید بتایا کہ اس پانی میں انسان ڈوبتا نہیں۔ہمیں گائیڈ کی بات پر یقین تو نہ آیا لیکن تجربہ کرنے کی ہمت بھی نہ ہوئی۔

ہماری اگلی منزل کٹاس اور اس کے نواح میں واقع ہندوؤں کے قدیم مندر تھے۔

راج کٹاس جو ہندو مذہب کے عقیدہ کے مطابق ایک نہایت مقدس مقام ہے، کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے دیوتا شیوا کی بیوی ستی دیوی کا جب انتقال ہوگیا تو شیوا دیوتا، جسے اپنی بیوی ستی دیوی سے بہت محبت تھی، کی یاد میں بہت رویا۔کٹاس رونے والی آنکھ کو کہتے ہیں۔شیوا کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں سے دو تالاب بن گئے۔ایک تالاب ہندوستان کے شہر اجمیر کے پاس واقع ہے جبکہ دوسرا یہاں کٹاس میں۔یہ دونوں مقامات ہندو دھرم کے مطابق بہت مقدس ہیں۔ان مقامات کا ذکر مہابھارت میں بھی ملتا ہے۔راج کٹاس کی ایک تاریخی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہاں پر البیرونی نے اپنی علمی تحقیق کو پروان چڑھانے کے لئے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی اور یہاں سے زمین کی پیمائش کی تھی۔یہ جگہ تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہے۔تقسیم پاکستان سے قبل ہزارہا ہندو اپریل کے مہینے میں اس جگہ پر آ کر قیام کرتے تھے۔آج بھی حکومت پاکستان اس جگہ کی اگر مناسب دیکھ بھال کا انتظام کرے اور اس کی قدیم تاریخی اہمیت بحال کرے اور ہندو دھرم کے لوگوں کو نہایت فراخ دلی سے اس امر کی اجازت دے کہ وہ آئیں اور اپنے اس مقدس مقام کی یاترا کریں تو یہ نہ صرف سیاحتی نقطہ نظر سے ایک نہایت منفعت بخش اور دوررس فیصلہ ہوگا بلکہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بتدریج کم ہوتی ہوئی تلخی کو یکسر معدوم کرسکے گا۔

کھیوڑہ سے کلر کہار کا سفر نہایت قابل دید بھی ہے اور قدرے خطرناک بھی۔بعض مقامات پر شکستہ سڑک، تنگ موڑ اور دشوار پہاڑی راستہ ڈرائیونگ کے اعتبار سے نہایت احتیاط کا متقاضی ہے۔تاہم انصار بھائیوں کی انتہائی دلچسپ باتوں اور شگفتہ چٹکلوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔خاص طور پر جھنگ سے تشریف لائے ہوئے محترم ماسٹر منیر احمد صاحب کے لطیفے یاد کرکے تو آج بھی ہونٹوں پر ہنسی اتر آتی ہے۔محترم ماسٹر صاحب نے ایک لطیفہ ایک پٹھان ڈرائیور کے بارے میں یہ سنایا کہ ایک مرتبہ جب وہ شمالی علاقہ جات میں ایک دشوار پہاڑی راستہ پر سفر کر رہے تھے تو انہوں نے ڈرائیور سے پوچھا کہ خان صاحب آپ اتنی مہارت سے گاڑی چلا رہے ہیں مجھے تو سڑک کے بعض خطرناک موڑوں پر بہت خوف آتا ہے۔خان صاحب فرمانے لگے او صاب! ڈرنا کیسا۔آپ بھی موڑ پر میری طرح آنکھیں بند کرلیا کریں۔

فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے محترم طارق محمود صاحب جو ہمارے اس مختصر قافلے کے امیر بھی تھے، وقفے وقفے سے

پیچھے مڑ کر اس لطیفہ گوئی کے مقابلہ میں شریک بھی ہو جاتے تھے اور سفر کے حوالہ سے کوئی نہ کوئی ہدایت بھی جاری کر دیتے تھے۔ اب فرمانے لگے کہ چونکہ ہمیں بھیرہ میں زیادہ وقت درکار ہے اس لئے کلر کہار میں ہمارے قیام کا دورانیہ صرف ایک گھنٹہ ہوگا۔ اور یہ کہ عصر کی نماز کے بعد قافلہ بھیرہ کی سمت روانہ ہو جائے گا۔ تا کہ مغرب کی نماز بھیرہ میں ادا کی جا سکے۔

بھیرہ......پھلاں وا سہرا۔ ایک قدیم تاریخی شہر، حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا آبائی شہر، جسے دیکھنے کو ایک مدت سے خواہش تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بھیرہ دراصل ''بہو راہ'' کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے جس کا مطلب ہے بہت سے راستے۔ چونکہ اڑھائی سو سال قبل مغلوں کے زمانے میں ہندوستان سے ایران اور افغانستان جانے والے قافلے بھیرہ میں قیام کیا کرتے تھے۔ اور اس شہر سے بہت سے راستے نکلتے تھے جو تجارتی قافلوں کو مختلف شہروں تک پہنچاتے تھے خود بھیرہ ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں اس شہر کا شمار برصغیر کے بڑے شہروں میں ہوتا تھا۔ بھیرہ کی مہندی اور مٹھائی ہندوستان بھر میں مشہور تھی۔ اس شہر کے کاریگر اور صناع اپنے فن میں بالخصوص لکڑی کے باریک اور نہایت نفیس کام میں ایک خاص شہرت رکھتے تھے۔ بھیرہ میں ایک دوست ہمیں بتانے لگے کہ بھیرہ شہر سے تعلق رکھنے والے ایک کاریگر نے اسی مغل بادشاہ اکبر کے زمانے میں دو دروازے تیار کئے تھے۔ ان میں سے ایک دروازہ لاہور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے اور دوسرا دروازہ حضرت خلیفہ اوّل کی رہائش گاہ جو اب احمدیہ بیت الذکر ہے میں نصب ہے اپنے دور کے مشہور اور بڑے شہروں کی طرح بھیرہ شہر میں داخل ہونے کے لئے بھی آٹھ دروازے تھے۔ ملتان کی طرف کا دروازہ ملتانی دروازہ، لاہور کی طرف کا لاہوری دروازہ، کابل کی طرف کا کابلی دروازہ، چنیوٹ کے رخ چنیوٹی دروازہ، لوہار کے خانے کے رخ لوہاراں والا دروازہ اور حاجی گلاب دروازہ، کشمیر کے رخ کا کشمیری دروازہ، تاہم ان میں سے اکثر دروازے حوادث زمانہ کی نظر ہو گئے اور ان کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ البتہ ملتانی دروازہ، چنیوٹی دروازہ، لاہوری دروازہ اور کشمیری دروازہ اب بھی قائم ہیں۔

بھیرہ شہر میں دو احمدیہ بیوت الذکر ہیں۔ ان میں سے ایک کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے 1950ء میں اپنے دست مبارک سے رکھی تھی۔ نماز جمعہ اسی بیت میں ادا کی جاتی ہے اور دوسری بیت جو اندرون شہر واقع ہے جو اصل میں حضرت خلیفہ اوّل کی ذاتی رہائش گاہ تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی اس رہائش گاہ کو ابیت کی غرض سے جماعت کو دے دیا تھا۔ ہم نے دونوں بیوت کی زیارت کی۔ تاہم نماز مغرب کی ادائیگی اندرون شہر میں واقع حضرت خلیفہ اوّل والی بیت میں ادا کی گئی۔

حضرت خلیفہ اوّل کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ جب بھیرہ میں آپ کا مطب خوب چلنے لگا اور یہ شہر پنجاب بھر کے بیماروں کے واسطے رجوع کا مرکز بن گیا تو آپ کو مریضوں کی سہولت کے پیش نظر ایک بڑے مکان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ کے آباء کی مملوکہ جگہ کا بہت سا احاطہ خالی تھا اس لئے حضرت صاحب نے وہاں پر اپنے لئے ایک نئے مکان کی تعمیر شروع کروادی۔ یہ غالباً 1892ء کا واقعہ ہے۔ اسی حال میں کہ جب مکان تعمیر ہو رہا تھا آپ کو کسی ضرورت کے واسطے دو

تین دن کے لئے لاہور آنا پڑا۔ لاہور آنے کا ایک مقصد اپنے زیر تعمیر مکان کے لئے کچھ سامان خرید نا تھا۔ تاہم لاہور پہنچ کر خیال آیا کہ قادیان قریب ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کر آؤں۔ اس غرض سے واپسی کا کرایہ طے کر کے بٹالہ سے یکہ لیا اور قادیان آئے۔ قادیان میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم بھی موجود تھے۔ انہوں نے آپ سے ذکر کیا کہ حضرت مسیح موعود کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ یہیں رہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اب یہاں سے نہیں جاتے اور پھر وہیں رہ پڑے۔ نہ کبھی واپس گئے اور نہ ہی کوئی سامان منگوایا۔ بس جیسے آئے تھے ویسے ہی رہ گئے۔

ہم حضرت خلیفہ اول کے اس پرشکوہ مکان کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر ان واقعات کو یاد کر رہے تھے کہ ایک ایسے وقت میں کہ جب آپ کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں مریضوں نے آنا شروع کر دیا تھا اور آپ کا نہایت شاندار مکان زیر تعمیر تھا۔ تو اس وقت جب امام وقت کا یہ منشاء معلوم ہوا کہ اب واپس نہیں جانا تو ساری زندگی واپسی کا کبھی قصد نہیں کیا۔ اطاعت، فرمانبرداری اور حضرت اقدس مسیح موعودؑ سے بے انتہا محبت آپ کی سیرت کا نمایاں پہلو تھا۔ سب لوگ حضرت خلیفہ اول کے اس محلّہ میں نہایت عقیدت اور احترام سے گھوم رہے تھے۔ اس بیت میں ہمیں وہ کمرہ بھی دکھایا گیا جہاں حضرت خلیفہ اول کی پیدائش ہوئی تھی۔ انصار احباب نے اس کمرہ میں نوافل بھی ادا کئے۔ یہ چھوٹی سی بیت دراصل حضرت مولوی صاحب کے اخلاص و ایثار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے سامنے وہ تنور آج بھی قائم ہے جس سے حضرت مولوی صاحب شام کے وقت روٹی لیا کرتے تھے۔ سب احباب نے اس تنور سے روٹیاں خریدیں۔

جس مکان میں حضرت خلیفہ اوّل مریضوں کو دیکھتے تھے وہ دراصل حضرت مولوی فضل الدین صاحب بھیروی کی ملکیت تھا۔ مریضوں کے معائنہ کا کمرہ اور منسلکہ انتظار گاہ کافی حد تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ بلکہ معائنہ کے کمرہ میں لکڑی کی وہ الماری بھی موجود ہے جس میں حضرت خلیفہ اوّل اپنی ادویہ رکھا کرتے تھے۔ ہم انصار یہ سب چیزیں دیکھ رہے تھے اور دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کر رہے تھے کہ اے خدا تو اپنے اس برگزیدہ بندے کو بے انتہا رحمتوں سے نواز جس نے یہ تمام دنیاوی جاہ وحشمت محض تیرے پاک مسیح کی محبت میں قربان کر دی۔ آمین

بھیرہ شہر کے کچھ مقامی احباب نے جو شروع سے ہمارے ساتھ تھے ہمیں بہت مفید معلومات فراہم کیں۔ شام کافی بیت چکی تھی اور ہمیں واپس فیصل آباد پہنچنا تھا اس لئے امیر قافلہ کی ہدایت کے مطابق سب دوستوں نے جلدی جلدی کچھ تحائف مثلاً مہندی، پھیاں وغیرہ خریدیں اور واپسی کا قصد کیا۔

یہ سفر اپنے بہترین انتظامات اور انصار بھائیوں کی شاندار رفاقت کے باعث ہماری زندگی کا ایک یادگار سفر بن گیا۔

کتاب ''سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ''

تبصرہ اور چند تسامحات پر ایک نظر

(قسط نمبر 3)

تحریر: مکرم عاصم جمالی صاحب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میں محض للہ اُن تمام صاحبوں کو جو سید صاحب کی تالیفات پر فریفتہ ہو رہے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ آیا ایمان سے نجات ملتی ہے یا فلسفہ سے''

''خدا فلسفیوں سے پوشیدہ رہا اور حکیموں کو اُس کا کچھ پتہ نہ لگا۔ مگر ایمان ایک عاجز دلق پوش کو خدا تعالیٰ سے ملا دیتا ہے اور اُس سے باتیں کرا دیتا ہے۔ مومن اور محبوب حقیقی میں قوتِ ایمانی دلالہ ہے۔ یہ قوت ایک مسکین، ذلیل، خوار، مردودِ خلائق کو قصرِ مقدس تک جو عرش اللہ ہے پہنچا دیتی ہے اور تمام پردوں کو اُٹھاتی اُٹھاتی دلآرامِ ازلی کا چہرہ دکھا دیتی ہے۔ سو اُٹھو ایمان کو ڈھونڈو اور فلسفہ کے خشک اور بیہودہ ورقوں کو جلاؤ کہ ایمان سے تم کو برکتیں ملیں گی۔ ایمان کا ایک ذرّہ فلسفہ کے ہزار دفتر سے بہتر ہے۔ اور ایمان سے صرف آخری نجات نہیں بلکہ ایمان دُنیا کے عذابوں اور لعنتوں سے بھی چھڑا دیتا ہے اور رُوح کے تحلیل کرنے والے غموں سے ہم ایمان ہی کی برکت سے نجات پاتے ہیں ...... کوئی ایسی دولت نہیں جیسا کہ ایمان ...... خدا تعالیٰ کو یہی پسند آیا کہ اب تو آوے۔ فلسفہ جاوے۔ ولا رادّ لِفَضْلِہٖ۔'' (آئینہ کمالات ...... روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 271-273)

7۔ (الف)

ڈاکٹر سید محبوب شاہ صاحب نے اس نمبر کے تحت حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے:

''ایک جگہ اثر دعا کے سلسلے میں اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں''

(سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ صفحہ 168)

''اب ہم فائدہ عام کے لئے کچھ استجابت دُعا کی حقیقت ظاہر کرتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ استجابت دُعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا تو اُس کو فرع کے

سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں۔پس یہی سبب سید کی غلط فہمی کا ہے اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ......‘‘

(برکات الدعا، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 9)

شاہ صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے اقتباس کے نقل کرنے میں کئی غلطیاں کیں ہیں۔ان کو ہم نے بریکٹ میں لکھ کر درست کردیا ہے۔یہ اقتباس درج ذیل ہے:

’’ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق مجازیہ (جاذبہ) ہے۔یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس کے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے سو جس کام میں (جس وقت) بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے اور پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں جب (تب) اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے (اور قوت جذب جو اُس کے اندر رکھی گئی ہے۔وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔۔شاہ صاحب نے یہ عبارت چھوڑ دی ہے۔) تب اللہ جل شانہٗ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔‘‘

(سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کے ناقدین کا تحقیقی جائزہ صفحہ 168)

یہ عبارت درج کر کے شاہ صاحب اس پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں:

’’مرزا صاحب کی مندرجہ بالا عبارت واقعی اثر انگیز ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اپنی تمام باتوں کے ثبوت آیات قرآنی اور احادیث صلعم سے پیش کرتے،نیز یہ بھی تحریر کرتے کہ اللہ کے وہ گناہگار بندے جو اس کی بخشش وعطا کے زیادہ طلب گار اور حق دار ہیں میں کس طرح اللہ جلشانہٗ کو اپنی طرف متوجہ کریں۔اور یہ بات مرزا صاحب لکھنا بھول گئے۔‘‘

(ایضاً صفحہ 148-149)

شاہ صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی عبارت کو اثر انگیز تو تسلیم کیا ہے۔لیکن اس سے کوئی عملی اثر نہیں لیا اور ثبوت مانگا ہے۔فی الواقعہ حضرت مرزا صاحب نے اس کے ثبوت میں علاوہ دیگر امور کے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا ثبوت پیش فرمایا ہے یعنی:

’’وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دُنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟

وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچادیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ والہ..........الخ''

(برکات الدعاء روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 10-11)

اور اپنی ذات کو بھی اس کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بڑھ کر ہے بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دُعا ہے۔''

(برکات الدعاء روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 11)

اب رہا معاملہ کہ

اللہ کے گناہگار بندے اللہ جلشانہٗ کو اپنی طرف کس طرح متوجہ کریں اور ان کا ثبوت آیاتِ قرآنی اور احادیث صلعم سے۔

یہاں بھی معاملہ پہلے سے بیان کردہ 1 تا 4 شقوں جیسا ہی ہے۔ یہاں بھی شاہ صاحب نے ادھورا حوالہ ہی پیش کیا ہے۔ زیرنظر حوالہ میں جو مثالیں حضرت مرزا صاحبؑ نے بیان کیں ہیں اُن کو توڑنا تو درکنار لکھا ہی نہیں۔ ملاحظہ ہوں متعلقہ مثالیں اور تشریح وتوضیح:

''مثلاً اگر بارش کے لئے دُعا ہے تو بعد استجابت دُعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دُعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے بددُعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات اربابِ کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دُعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے یعنی باذنہٖ تعالیٰ وہ دُعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اُس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔'' (برکات الدعاء روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 10)

اس عبارت میں جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے۔ یعنی ''کامل کی دُعا'' اگر شاہ صاحب اُس کو اقتباس زیرنظر کے ساتھ ملالیں تو وہاں یہ الفاظ بھی درج ہیں۔

(۱) ایک سعید بندہ اور اُس کے رب میں ایک تعلق جاذبہ ہے۔

(۲) پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

(۳) پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے۔

(۴) اور دُعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواصِ عجیبہ پیدا کرتا ہے۔

(۵) جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل

وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے۔

(۶) نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا۔

(۷) فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔

(۸) تب اُس کی رُوح اُس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اُس کے اندر رکھی گئی ہے۔

(۹) وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جل شانۂ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اس دعا کا اثر ان تمام مادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔"

اس کے بعد حضرت مرزا صاحبؑ نے مثالیں دی ہیں جن کو سطور گذشتہ میں درج کر دیا گیا جنہیں شاہ صاحب نے درج نہیں کیا تھا۔ اِس تسلسل میں حضرت مرزا صاحبؑ تحریر کرتے ہیں جو نظارۂ استجابت دُعا میں سے ہیں یعنی:

"خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں اس کی نظیریں کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اعجاز کی بعض اقسام بھی دراصل استجابت دُعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائب کرامات دکھلاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں۔"

(برکات الدعا، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 10)

درج بالا اقتباس میں جو بندہ کامل یقین، امید، محبت، وفاداری، ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہے وغیرہ فی الواقعہ قبولیتِ دعا کے حصول کے ذرائع ہیں۔

کیا اب بھی شاہ صاحب کو حضرت مرزا صاحبؑ کی استجابت دعا کی بیان کردہ شرائط کامل یقین، کامل امید، کامل محبت، کامل فرمانبرداری، کامل ہمت وغیرہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ صلعم کی دعائے مستجاب میں نظر نہیں آئی؟ جو قرآن کریم کو درج بالا آیت سے ثابت ہے جسے حضرت مرزا صاحبؑ نے اجمالاً لکھ دیا ہے لیکن شاہ صاحب اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے مانگتے ہیں:

پھر شاہ صاحب کا مطالبہ ہے کہ:

"اللہ کے گناہگار بندے اللہ جلشانہٗ کو اپنی طرف کس طرح متوجہ کریں؟ اور اس کا ثبوت آیات قرآنی اور احادیث صلعم سے" دیا جائے۔

حضرت مرزا صاحبؑ نے تحریر کیا ہے کہ:

"بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور بندہ............ الخ"

حضورؑ فرماتے ہیں کہ "بندہ کے صدق کی کشش......" سے خدا تعالیٰ کا قرب بندہ کو ملتا ہے یعنی اُس کی صحیح کوشش

سے کامیابی اُسے ملتی ہے جو تمام پہلوؤں پر حاوی ہوتی ہے۔‘‘

اسی مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ’’برکات الدعاء‘‘ میں ’’ایک سعید بندہ اور اُس کے رب میں تعلق جاذبہ‘‘ کا نام دیا ہے اور اُس کے ’’کامل یقین، امید، محبت، وفاداری اور ہمت‘‘ کا تذکرہ کیا ہے۔ اِسے ’’براہین احمدیہ‘‘ حصہ پنجم میں ’’وجودِ کامل‘‘ کا نام دیا ہے۔ اور اِسے صرف بقول ڈاکٹر سید محبوب شاہ صاحب عبارت کی اثر انگیزی تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کا ثبوت آیات قرآنی سے بھی دیا ہے۔ اِسی طرح اس کے انتہائی مرتبے کو از روئے قرآن مرتبہ ششم درج فرمایا ہے جب ’’انسانی کمالات‘‘ کے پھل پھول ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں اور ’’انسانی درخت کی روحانی شاخیں نہ صرف مکمل ہو جاتی ہیں بلکہ اپنے پھل بھی دیتی ہیں‘‘ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 209 (حاشیہ) اور یہی پھل پھول استجابت دعا ہیں۔ اس مضمون کو یعنی اس ’’پاک فلاسفی‘‘ کو سورۃ المومنون کی آیت 15 کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ

’’خدا تعالیٰ وہ عمیق مناسبت جو روحانی اور جسمانی وجود کے اُن ترقیات میں موجود ہے جو وجودِ کامل کے مرتبہ تک پیش آتے ہیں ان آیات مبارکہ میں ظاہر کر دی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ظاہری اور باطنی صنعت ایک ہی ہاتھ سے ظہور پذیر ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔‘‘ (تفسیر سورۃ المومنون جلد 6 صفحہ 161)

شاہ صاحب موصوف کو چونکہ آیات قرآنی دیکھنے کا شوق ہے۔ اس لئے ان روحانی اور جسمانی ترقیات کو قرآن کریم کی متعلقہ آیات سے درج کیا جاتا ہے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو ’’براہین احمدیہ جلد پنجم از صفحہ نمبر 183-244)

ترقیات روحانی مراتب ستہ	ترقیات جسمانی کے مراتب ستہ
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ	ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ	ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ	فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ	فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ	فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ	ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

چونکہ ہمیں یہاں غرض ترقیاتِ روحانی کے مراتب ستہ بیان کرنے سے ہے۔ اس لئے جیسے کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ

روحانی وجسمانی ترقیات کی تفصیل ''براہین احمدیہ'' حصہ پنجم میں ملاحظہ ہو۔ ہم صرف ترقیات روحانی کے مراتب ستہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظِ مبارک میں جو خلاصہ میں مذکورہ تفصیلی تفسیر وتوضیح کا پیش کرتے ہوئے جو ''برکات الدعاء'' میں مذکورہ مدارج وماہیت بابت استجابت دعا اور انسانی کمالات ہے۔

''ایمان کے لئے خشوع کی حالت مثل بیج کے ہے اور پھر لغو باتوں کے چھوڑنے سے ایمان اپنا نرم نرم سبزہ نکالتا ہے اور پھر اپنا مال بطور زکوۃ دینے سے ایمانی درخت کی ٹہنیاں نکل آتی ہیں جو اس کو کسی قدر مضبوط کرتی ہیں اور پھر شہوات نفسانیہ کا مقابلہ کرنے سے اُن ٹہنیوں میں خوب مضبوطی اور سختی پیدا ہوجاتی ہے اور پھر اپنے عہد اور امانتوں کی تمام شاخوں کی محافظت کرنے سے درخت ایمان کا اپنے مضبوط تنا پر کھڑا ہوجاتا ہے اور پھر پھل لانے کے وقت ایک اور طاقت کا فیضان اس پر ہوتا ہے کیونکہ اس طاقت سے پہلے نہ درخت کو پھل لگ سکتا ہے نہ پھول۔ وہی طاقت روحانی پیدائش کے مرتبہ ششم میں خلق آخر کہلاتی ہے اور اس مرتبہ ششم پر انسانی کمالات کے پھل اور پھول ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں اور انسانی درخت کی روحانی شاخیں نہ صرف مکمل ہوجاتی ہیں بلکہ اپنے پھل بھی دیتی ہیں۔''

(براہین احمدیہ جلد پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 209)

اُمید کی جاتی ہے کہ اب شاہ صاحب کو حضرت مرزا صاحبؑ کی اثر انگیز عبارت کی اثر انگیزی کا حال معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ تو قرآن کریم کے ثبوت کے ساتھ نہیں اسی طرح اللہ کے وہ گناہگار بندے جو اس کی بخشش وعطا کے زیادہ طلب گار اور حق دار ہیں کس طرح اللہ جلشانہٗ کو اپنی طرف متوجہ کریں۔''

شاہ صاحب نے جو اقتباس لکھ کر حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراض کیا ہے۔ اُس سے قبل آپؑ تحریر فرماتے ہیں:

''استجابت دُعا کا مسئلہ درحقیقت دُعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے''

قطع نظر شاہ صاحب کے اعتراضات کے جن کا جواب بالتفصیل اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ ہم یہاں دعا کے مسئلہ کے بارے میں بھی حضرت اقدسؑ کے ارشادات پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''فکر اور غور کے وقت جبکہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بہ زبانِ حال اُس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ...... تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دُعا کی ایک حالت ہوتی ہے۔ اُس دُعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے ...... عارفوں کی دُعا آداب معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے ...... اور محجوبوں کی دُعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے ...... چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات اُن کے دل میں پڑ جائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اس پر کھلے ...... عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور

بینا ریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ متفکر کے فکر بطور دعا قرار دے کر بطور قبولِ دعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دل میں ڈالتا ہے...... فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے۔ سو آخر وہ خدا اسے اس مطلب کو پاتا ہے...... یہ طریق طلب روشنی اگر علی وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دعا ہے۔ اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کی جائے اور منور حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دعا ہے۔"

(ایام الصلح صفحہ 3-4۔خلاصہ عبارت)

حضرت اقدسؑ اس امر کی مزید تفصیل بیان فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ کی چار اعلیٰ درجہ کی صفتیں ہیں جو اُمّ الصفات ہیں اور ہر ایک ہماری بشریت سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار صفتیں یہ ہے:

ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت یوم الدین" (ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 242)

"قرآن شریف کی اصطلاح کے رُو سے خدا تعالیٰ رحیم اس حالت میں کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دُعا اور تضرع اور اعمال صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضیع اعمال سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ یہ احسان دوسرے لفظوں میں فیض خاص سے موسوم ہے۔ اور صرف انسان کی نوع سے مخصوص ہے۔ دوسری چیزوں کو خدا نے دُعا اور تضرع اور اعمال صالحہ کا ملکہ نہیں دیا مگر انسان کو دیا ہے۔ انسان حیوان ناطق ہے اور اپنی نطق کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ کا فیض پا سکتا ہے۔ دوسری چیزوں کو نطق عطا نہیں ہوا۔ پس اس جگہ سے ظاہر ہے کہ انسان کا دُعا کرنا اس کی انسانیت کا ایک خاصہ ہے جو اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات ربوبیت اور رحمانیت سے فیض حاصل ہوتا ہے اسی طرح صفت رحیمیت سے بھی ایک فیض حاصل ہوتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ربوبیت اور رحمانیت کی صفتیں دُعا کو نہیں چاہتیں۔ کیونکہ وہ دونوں صفات انسان سے خصوصیت نہیں رکھتیں اور تمام پرند چرند کو اپنے فیض سے مستفیض کر رہی ہیں۔ بلکہ صفت ربوبیت کی وسعت" اور "طرح طرح کے اسباب کے عالم ظہور" میں لانے کی امید دلا دی گئی ہے۔ جو دعا کی حقیقی فلاسفی پر دلالت کر رہی ہیں۔ اس ضمن میں حضورؑ فرماتے ہیں:

"اللہ پاک ذات نے اپنے قول رب العالمین میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اور آسمانوں اور زمینوں میں اس کی حمد ہوتی ہے اور پھر حمد کرنے والے ہمیشہ اس کی حمد میں لگے رہتے ہیں اور اپنی یاد خدا میں محو رہتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر ہر وقت اس کی تسبیح و تحمید کرتی رہتی ہے اور جب اس کا کوئی بندہ اپنی خواہشات کا چولہ اتار پھینکتا ہے۔ اپنے جذبات سے الگ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی راہوں اور اس کی عبادات میں فنا ہو جاتا ہے۔ اپنے اس رب کی پہچان لیتا

ہے جس نے اپنی عنایات سے اس کی پرورش کی وہ اپنے تمام اوقات میں اس کی حمد کرتا ہے اور اپنے پورے دل بلکہ اپنے (وجود کے) تمام ذرّات سے اس سے محبت کرتا ہے تو اس وقت وہ شخص عالمین میں سے ایک عالم بن جاتا ہے۔......''

(تفسیر سورۃ الفاتحہ ۸۳)

اس تفسیر میں بھی حضرت اقدسؑ نے بعد کے مراحل دعا کو بھی بیان فرما دیا ہے یعنی

''جب اس کا کوئی بندہ اپنی خواہشات کا چولہ اتار پھینکتا ہے۔''

''اپنے جذبات سے الگ ہو جاتا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ اور اس کی راہوں اور اس کی عبادات میں فنا ہو جاتا ہے۔''

''اپنے اس رب کی پہچان لیتا ہے جس نے اپنی عنایات سے اس کی پرورش کی''

''وہ اپنے تمام اوقات میں اس کی حمد کرتا ہے اور پورے پورے دل بلکہ اپنے (وجود کے) تمام ذرّات سے اس سے محبت کرتا ہے'' تو

''اس وقت وہ شخص عالمین میں سے ایک عالم بن جاتا ہے۔''

''رحیمیّت کو جو انسان کی دُعا کو چاہتی ہے خاص انسان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ میں ایک قسم کا وہ فیض ہے جو دُعا کرنے سے وابستہ ہے۔ اور بغیر دُعا کے کسی طرح مل نہیں سکتا۔ یہ سنّت اللہ اور قانونِ الٰہی ہے جس میں تخلف جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں کے لئے ہمیشہ دُعا مانگتے رہے۔ توریت میں دیکھو کہ کتنی دفعہ بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کو ناراض کر کے عذاب کے قریب پہنچ گئے اور پھر کیونکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا اور تضرع اور سجدہ سے وہ عذاب ٹل گیا۔ حالانکہ بار بار وعدہ بھی ہوتا رہا کہ مَیں ان کو ہلاک کروں گا۔

اب اِن واقعات سے ظاہر ہے کہ دُعا محض لغو امر نہیں ہے۔ اور نہ صرف ایسی عبادت جس پر کسی قسم کا فیض نازل نہیں ہوتا۔.......... دُعا پر ضرور فیض نازل ہوتا ہے جو ہمیں نجات بخشتا ہے۔ اِسی کا نام فیض رحیمیّت ہے۔ جس سے انسان ترقی کرتا جاتا ہے۔ اِسی فیض سے انسان ولایت کے مقامات تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ پر ایسا یقین لاتا ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ مسئلہ شفاعت بھی صفت رحیمیّت کی بناء پر ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحیمیّت نے ہی تقاضا کیا کہ اچھے آدمی بُرے آدمیوں کی شفاعت کریں۔''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 250)

''غرض خدا تعالیٰ میں یہ چار صفات عظیمہ ہیں جن پر ہر ایک ..... کو ایمان لانا چاہیے اور جو شخص دُعا کے ثمرات اور فیوض سے انکار کرتا ہے گویا وہ بجائے چار صفتوں کے صرف تین صفتوں کو مانتا ہے۔''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 252)

پھر فرماتے ہیں:

’’زمین و آسمان سے اس کے لئے نشان ظاہر کرتا ہے اور اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن بن جاتا ہے اور اگر پچاس کروڑ انسان بھی اُس کی مخالفت پر کھڑا ہو تو ان کو ایسا ذلیل اور بے دست و پا کر دیتا ہے جیسا کہ ایک مرا ہوا کیڑا، اور محض ایک شخص کی خاطر کے لئے ایک دنیا کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنی زمین و آسمان کو اس کا خادم بنا دیتا ہے اور اس کے کلام میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس کے تمام در و دیوار پر نور کی بارش کرتا ہے اور اُس کی پوشاک اور اُس کی خوراک میں اور اس مٹی میں بھی جس پر اس کا قدم پڑتا ہے ایک برکت رکھ دیتا ہے اور اس کو نامراد ہلاک نہیں کرتا اور ہر ایک اعتراض جو اس پر ہو اُس کا آپ جواب دیتا ہے اور وہ اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہے جن سے وہ سُنتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ دشمنوں پر حملہ کرتا ہے۔ وہ اس کے دشمنوں کے مقابل پر آپ نکلتا ہے اور شریروں پر جو اس کو دکھ دیتے ہیں آپ تلوار کھینچتا ہے۔ ہر میدان میں اس کو فتح دیتا ہے اور اپنی قضا و قدر کے پوشیدہ راز اس کو بتلاتا ہے۔ غرض پہلا خریدار اس کے روحانی حسن و جمال کا جو حسن معاملہ اور محبت ذاتیہ کے بعد پیدا ہوتا ہے خدا ہی ہے پس کیا ہی بدقسمت وہ لوگ ہیں جو ایسا زمانہ پاویں اور ایسا سورج اُن پر طلوع کرے اور تاریکی میں بیٹھے رہیں۔‘‘

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 225)

’’یہ کیا حیرت انگیز نظارہ ہے کہ وہ حسن روحانی، جو حُسن معاملہ اور صدق و صفا اور محبت الٰہیہ کی تجلّی کے بعد انسان میں پیدا ہوتا ہے اس میں ایک عالمگیر کشش پائی جاتی ہے وہ مستعد دلوں کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کہ جیسے شہد چیونٹیوں کو۔ اور نہ صرف انسان بلکہ عالم کا ذرہ ذرہ اس کی کشش سے متاثر ہو جاتا ہے۔ صادق المحبت انسان جو سچی محبت خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے وہ وہ یوسف ہے جس کے لئے ذرہ ذرہ اس عالم کا زلیخا صفت ہے۔‘‘

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 223)

خریداران متوجہ ہوں

بعض خریداران کے دوران سال نقل مکان کی وجہ سے پتہ جات تبدیل ہو گئے۔ مگر ابھی تک ان احباب نے دفتر ماہنامہ انصار اللہ کو مطلع نہیں کیا۔ ان تمام خریداران سے درخواست ہے کہ اپنے موجودہ پتہ سے اور فون نمبر سے آگاہ رکھنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

لہٰذا وہ خریداران جن کے پتہ جات تبدیل ہوئے ہیں فوراً نئے پتہ سے دفتر ماہنامہ انصار اللہ کو مطلع کریں۔

نیز جن خریداران نے اپنا سابقہ بقایا یا سال رواں کا چندہ نہیں بھجوایا وہ بھی جلد سے جلد بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

مینیجر ماہنامہ انصار اللہ

اہم مساعی شعبہ ایثار مجلس انصار اللہ پاکستان

(بابت ماہ جولائی 2007ء)

(مرسلہ: مکرم ڈاکٹر محمد احمد اشرف صاحب قائمقام قائد ایثار مجلس انصار اللہ پاکستان)

ضلع لاہور: ضلعی انتظام کے تحت 2 جبکہ ضلع کی مختلف زعامت ہائے علیاء کے زیر انتظام 34 فری میڈیکل کیمپس منعقد کئے گئے۔ جن میں 2971 مریضوں کو مفت طبی مشورہ اور ادویات مہیا کی گئیں۔

ان کیمپس میں سے 8 کیمپس مجلس دارالسلام نے، 5 کیمپس مجلس مغلپورہ نے اور مجالس سمن آباد، سلطان پورہ اور گرین ٹاؤن نے چار چار کیمپس لگائے۔ مجلس سلطانپور لاہور نے 3 جبکہ مجالس سمن آباد نے 2، کوٹ لکھپت اور گرین ٹاؤن نے دو دو افراد کو ہنر سکھایا۔

ضلع میں مجموعی طور پر 99 افراد کو روزگار دلوایا گیا۔ اس خدمت میں سرفہرست مجلس دارالسلام ہے جس نے 55 افراد کو روزگار دلوایا۔ مجلس ڈیفنس نے 11 اور مجالس کوٹ لکھپت، گرین ٹاؤن اور مغل پورہ نے چار چار افراد کو روزگار دلایا۔

3,57,724 روپے سے ضرورت مندوں کی مالی مدد کی گئی۔ مجالس بیت النور، ڈیفنس اور گلبرگ کے ایک ایک ناصر نے خون کا عطیہ پیش کیا۔

ضلع لاہور کی 14 مجالس میں 21 وقار عمل منعقد ہوئے۔

مجلس مغلپورہ کے اجتماعی وقار عمل میں 73، ڈیفنس کے وقار عمل میں 38 اور جوہر ٹاؤن کے وقار عمل میں 21 انصار بھائیوں نے شرکت کی۔

مجلس مغلپورہ نے منظم پروگرام کے تحت مختلف ہسپتالوں کا دورہ کر کے 179 مریضوں کی عیادت کی۔

ربوہ: زعامت علیاء ربوہ نے دورانِ ماہ 18 فری میڈیکل کیمپس منعقد کئے جن میں 18 ڈاکٹرز شامل ہوئے اور 854 مریضوں کا مفت علاج کیا گیا۔

2 انصار بھائیوں نے رضا کارانہ طور پر اپنے خون کا عطیہ پیش کیا۔ 2 افراد کو ہنر سکھایا گیا۔ 4 افراد کو روزگار دلوایا گیا۔ 25 وقار عمل میں 512 انصار بھائیوں نے شرکت کی۔

ضلع کراچی: مختلف مجالس کے تحت ضلع میں 13 فری میڈیکل کیمپس لگائے گئے۔ جن میں سے 5 کیمپس مجلس ڈرگ کالونی نے، 4 کیمپس ماڈل کالونی اور 2 کیمپس مارٹن روڈ نے منعقد کئے۔ مجموعی طور پر 1600 سے زائد مریضوں کا علاج مفت کیا گیا۔

2,46,540 روپے سے ضرورتمندوں کی مالی مدد کی گئی۔ مجلس مارٹن روڈ نے 12 افراد کو، مجلس گلشن اقبال غربی نے 5 افراد کو، اور ڈرگ کالونی اور گلشن جامی نے دو دو افراد کو ہنر سکھایا۔ ضلع میں کل 24 بیروزگار افراد کو روزگار دلوایا گیا جن میں گلشن اقبال غربی نے 18، کورنگی نے 6، ڈرگ کالونی نے 5 اور بلدیہ ٹاؤن نے 3 افراد کو روزگار دلوایا۔ بلدیہ ٹاؤن کراچی کے اجتماعی وقارعمل میں 50 جبکہ ڈرگ کالونی کے وقارعمل میں 20 انصار بھائیوں نے شرکت کی۔

مجلس کلفٹن کراچی کے 4 انصار نے، جبکہ بلدیہ ٹاؤن کے 2 اور گلشن اقبال غربی کے ایک ناصر نے اپنے خون کا عطیہ رضا کارانہ طور پر پیش کیا۔

ضلع فیصل آباد: ضلعی انتظام کے تحت 4 فری میڈیکل کیمپس منعقد ہوئے جن میں 805 مریضوں کو مفت طبی مشورہ اور ادویات فراہم کی گئیں۔ مختلف مجالس کے زیر انتظام 8 فری میڈیکل کیمپس میں 869 مریضوں کا علاج کیا گیا۔ ان میں سے 4 کیمپس دارالفضل فیصل آباد نے اور 2 کیمپس دارالذکر نے منعقد کئے۔

مجلس دارالفضل نے 12 افراد کو، دارالذکر نے 7 افراد کو اور کریم نگر نے 4 افراد کو ہنر سکھایا۔ مجلس دارالذکر نے 8، دارالفضل نے 4، اور دارالنور اور کریم نگر نے دو دو افراد کو روزگار دلوایا۔

ضلع کی 21 مجالس میں 22 وقارعمل ہوئے جن میں 216 انصار نے شرکت کی۔ دارالذکر فیصل آباد کے ایک وقارعمل میں 36 جبکہ دارالنور کے وقارعمل میں 30 انصار شریک ہوئے۔

ضلع لاڑکانہ: سیلاب زدگان کے لئے 5 دیگیں کھانا پکوا کر تقسیم کی گئیں۔ نیز متاثرین سیلاب کے 82 گھرانوں میں خوراک کے 974 پیکٹ تقسیم کئے گئے۔ 14 احمدی گھرانوں کو مقامی احمدی بھائیوں نے اپنے گھروں کا آدھا حصہ خالی کر کے وہاں ٹھہرایا۔ اس طرح 62 غیر از جماعت گھرانوں کی عارضی رہائش کا بھی انتظام کروایا گیا۔

3 فری میڈیکل کیمپس ضلعی انتظام کے تحت منعقد کئے گئے جن میں 1073 مریضوں کا مفت طبی معائنہ اور علاج کیا گیا۔ ضلع کی 8 مجالس نے اجتماعی وقارعمل منعقد کئے۔

ضلع شیخوپورہ: 24300 روپے سے غرباء کی مالی مدد کی گئی۔ 22 بیروزگار افراد کو روزگار دلوایا گیا۔

ضلع اسلام آباد: ضلعی انتظام کے تحت ایک جبکہ مجالس کے زیر انتظام 4 فری میڈیکل کیمپس منعقد کئے گئے جن میں 205 مریضوں کا مفت علاج کیا گیا۔ مجلس اسلام آباد شرقی نے 113 مریضوں کی عیادت کی۔ مجلس اسلام آباد جنوبی نے 5 افراد کو ہنر سکھایا اور 11 افراد کو روزگار دلوایا۔

ضلع اٹک: مجالس کے زیر انتظام 2 فری میڈیکل کیمپس منعقد ہوئے۔

ضلع بہاولپور: ضلعی انتظام کے تحت 1 جبکہ مجالس کے زیر انتظام 2 فری میڈیکل کیمپس منعقد ہوئے۔

ضلع سرگودھا: ضلعی انتظام کے تحت 2 جبکہ مجالس کے زیر انتظام 4 فری میڈیکل کیمپس منعقد ہوئے۔ جن میں 494 مریضوں کا علاج کیا گیا۔ 12 افراد کو روزگار دلوایا گیا۔ 42 مجالس نے 56 وقار عمل کئے۔

ضلع سیالکوٹ: ضلعی انتظام کے تحت 1 جبکہ مجالس کے تحت 3 فری میڈیکل کیمپس منعقد ہوئے۔

ضلع سانگھڑ: ضلعی انتظام کے تحت 2 جبکہ مجالس کے زیر انتظام 4 فری میڈیکل کیمپس منعقد ہوئے۔

ضلع حافظ آباد: ضلعی انتظام کے تحت 1 اور ایک مجلس کے زیر انتظام بھی ایک کیمپ منعقد ہوا۔ جن میں 324 مریضوں کا علاج کیا گیا۔ 2 انصار بھائیوں نے خون کا عطیہ پیش کیا۔ 3 افراد کو روزگار دلوایا گیا۔

ضلع حیدرآباد: 3 افراد کو روزگار دلوایا گیا۔

ضلع نارووال: ضلعی انتظام کے تحت 2 جبکہ مجالس کے زیر انتظام 8 فری میڈیکل کیمپس منعقد ہوئے۔

ضلع راولپنڈی: مجلس واہ کینٹ کے اجتماعی وقار عمل میں 27 انصار نے شرکت کی۔ 40,140 روپے سے غرباء کی مالی مدد کی گئی۔

ضلع گوجرانوالہ: 9430 روپے سے غرباء کی مدد کی گئی۔ مجلس گوجرانوالہ شرقی نے ایک فری میڈیکل کیمپ منعقد کیا اور 3 افراد کو روزگار دلوایا۔

نصاب سہ ماہی چہارم (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء)

1- ترجمہ قرآن کریم پارہ نمبر 6 (نصف آخر) 2- کتاب ''مسیح ہندوستان میں'' از حضرت مسیح موعود علیہ السلام (روحانی خزائن جلد ۱۵) 3- کتاب ''تعلق باللہ'' از حضرت مصلح موعود

(مرسلہ: قیادت تعلیم مجلس انصار اللہ پاکستان)

انقلابِ حسین

(کلام: مکرم عبدالسلام اسلام صاحب)

دَورِ جَمال آیا لے کر حیاتِ تازہ
ظاہر کئے خُدا نے رنگ و صِفاتِ تازہ

محوِ جہادِ نَو ہے فرزندِ احمدیّت
تیغ قلم سے ٹُوٹے لات و مناتِ تازہ

اَرض و سما میں گونجا جِدّت طراز نغمہ
مُردہ دِلوں میں پُھونکی جِس نے حیاتِ تازہ

اُترا ہے خوان یغما ایمان و معرفت کا
مہدی نے آ کے کھولے لاکھوں نِکاتِ تازہ

باقی کہاں رہا ہے اِبہام لفظ و معنی
اِس دَور میں ہے اُتری گویا لُغاتِ تازہ

کروٹ بدل رہا ہے اِسلامؔ دَورِ ہستی
تعمیر ہو رہی ہے اِک کائناتِ تازہ